کشمیر مین ڈوگرون کی حکومت کا حصۂ اوّل یعنے
سوانح عمری

مہاراجہ گلاب سنگھ بہادر

بانی ریاستِ جمّون وکشمیر

جسمین
راجہ دہیان سنگھ صاحب۔ راجہ سوچیت سنگھ صاحب
راجہ ہیرا سنگھ صاحب اور مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب
کے فرزندان میان اودھم سنگھ صاحب۔ میان
سوہن سنگھ صاحب اور دربار لاہور کے عروج اور
زوال کے مفصل حالات درج ہین۔ اور جس کو
پنڈت سالگرام کول وکیل ہائیکورٹ ریاست جمّون
وکشمیر اور مالک مطبع سالگرام پریس نے مختلف
کتابون کی امداد سے تالیف کیا

۱۹۱۴ء
سمت ۱۹۷۱ مین

باہتمام کارپردازان مطبع سالگرام پریس کشمیر مین چھپی

$$\begin{array}{r}1994\\ \underline{1914}\\ 80\end{array}$$

نوین

میں کتاب ہٰذا کو اپنے رعایا پرور دہرم اوتار
فرشتہ خصلت - فیاضِ زمان مہاراجہ
پرتاپ سنگھ صاحب بہادر دام اقبالہ
میجر جنرل - جی - سی - ایس - آئی - وغیرہ وغیرہ
والی ریاست جمُّوں و کشمیر کے نام نامی سے
معنون کرتا ہوں

بندہ پنڈت سالگرام کول مولف

دیباچہ

میں نے اس کتاب کو دراصل انگریزی میں لکھکر سنہ ۱۹۱۰ع میں جناب دیوان بدری ناتھ صاحب پرائیویٹ سکرٹیری سری حضور مہاراجہ صاحب بہادر دام اقبالہ و ملکہ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ تاکہ وہ مناسب موقعہ پر سرکار والا مدار کی نذر کریں ۔ اوس کی جب جو کچھہ قدردانی ہوگی۔ اطلاع دی جائیگی۔ لیکن اکثر یار دوستون اور کتاب مذکور کے شائقین کو زیادہ انتظار کی طاقت نہیں۔ اسلیئے اون کے اصرار پر یہ اردو ترجمہ شائع کیا جاتا ہے۔

جن حاسد مورخون نے مہاراجہ گلاب سنگھہ کے حالات کے لکھنے میں بغض اور تعصب سے کام لیا ہے۔ گو اس کتاب میں اونکا جواب نہیں دیا گیا۔ لیکن جو سچے حالات تھے وہ راست راست بیان کردیئے گئے ہیں علاوہ اسکے یہ کتاب اس بات کی ضرور تعلیم دیتی ہے کہ ایک ہندو مہاراجہ میں کیا کیا خوبیان ہونی چاہیین۔ قومین کسطرح بنتی اور کسطرح بگڑ جاتی ہیں۔ ایک اولوالعزم آدمی اپنی نیچلی حالتمین ہمت مردانہ سے کسطرح عروج حاصل کرسکتا ہے۔ نمکحرامی اور نمکحلالی کا ملک پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اور ملک گیری کیواسطے کس کس قسم کی چالین اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ میں امید کرتا ہون کہ کتاب ہذا مقبول عام ہوگی۔

راقم بندہ سالگرام کول پنڈت مولف

نمبر باب	خلاصہ مضمون	صفحہ
۱	مہاراجہ گلاب سنگھ کا حسب و نسب	۱
۲	مہاراجہ گلاب سنگھ کی پہلی بہادری	۸
۳	مہاراجہ گلاب سنگہ کا میان موٹا سے جدا ہونا	۹
۴	میان موٹا کا مارا جانا	۱۲
۵	راجہ سلطان خان کا قید ہونا	۱۴
۶	سدہنون کی بغاوت اور سرکوبی	۲۱
۷	میان ڈیڈو کی لوٹ مار اور ہلاکت	۲۷
۸	ریاسی کی فتح	۳۴
۹	ریاسی والون کی بغاوت	۳۷
۱۰	کشتوار کی فتح	۳۹
۱۱	قلعہ سومرتھ کی فتح	۴۵
۱۲	تبت خورد کی فتح	۴۷
۱۳	ڈوگرون کی مان تلائی مین تباہی	۵۰
۱۴	تبت پر دیوان ہرچند کی لشکرکشی	۵۴
۱۵	جنگ چمرہ وغیرہ اور اہل تبت کی شکست	۵۷
۱۶	عہدنامہ تبت	۶۳
۱۷	مہاراجہ گلاب سنگہ وغیرہ کا راجہ بنایا جانا	۶۴
۱۸	مہاراجہ گلاب سنگہ کا عروج	۶۴
۱۹	مہاراجہ رنجیت سنگہ کے بیٹے اور پوتون وغیرہ کا خاتمہ	۶۷
۲۰	مہاراجہ شیر سنگہ اور راجہ دہیان سنگہ کی ہلاکت	۷۸
۲۱	سردار اجیت سنگہ اور لہنا سنگہ سندہانوالیہ کا مارا جانا۔	۸۳
۲۲	راجہ سوچیت سنگہ کا مارا جانا	۸۷
۲۳	راجہ ہیرا سنگہ اور جلا پنڈت کا مارا جانا	۹۷
۲۴	میان سوہن سنگہ کا مارا جانا	۱۰۱
۲۵	سردار جواہر سنگہ کی ہلاکت اور برچھہ گردی	۱۰۴
۲۶	خالصہ فوج کی انگریزی علاقہ پر لشکرکشی	۱۰۹
۲۷	مہاراجہ گلاب سنگہ اور اونکے مخالف	۱۱۶
۲۸	سکھون کی شکست اور مہاراجہ گلاب سنگہ کی مدار المہامی	۱۲۰
۲۹	مہاراجہ گلاب سنگہ کو ملک کشمیر کا ملنا۔	۱۲۶
۳۰	مہاراجہ گلاب سنگہ کا عہدنامہ	۱۳۴
۳۱	لاہور دربار کی ابتر حالت	۱۳۶
۳۲	مہاراجہ گلاب سنگہ کی قابلیت اور حکومت	۱۳۸

مہاراجہ گلاب سنگھ کی خاندانی عظمت

مہاراجہ گلاب سنگھ جنہون نے موجودہ ریاست جمون اور کشمیر کی بنیاد سمت ۱۹۰۲ مین رکھی تھی۔ پنجاب کے اُن ارکین سلطنت میں سے شمار کیجاتے ہیں۔ جو انیسوین عیسوی صدی میں پالٹکس یا امورات ملکی کی معاملہ فہمی میں خاص طور پر نامور ہو گذرے ہیں وہ ایک اعلیٰ نظیر اس بات کی ہیں۔ کہ ایک شریف آدمی جو غریب ہو گیا ہو۔ اپنی خداداد لیاقت۔ علو العزم طبعیت۔ اور لگاتار کوششون اور جوہر مردانگی سے بڑھتے بڑھتے کسطرح ایک خودمختار مہاراجہ بن سکتا ہے۔ بعضی روایتون سے جن کی تصدیق سنسکرت کی مختلف کتابون اور تواریخون سے ہوتی ہے۔ پایا جاتا ہے کہ کوہستان جمون کا یہ عظیم الشان مہاراجہ اُس سورج بنسی خاندان کی اولاد میں سے تھا۔ کہ جس نامور چھتری خاندان کے مورث اعلیٰ اجودھیا پوری کے مشہور و معروف مہاراجہ سری رامچندر مہاراج ہو گذرے ہیں۔

روایت یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں اس بزرگ خاندان میں سے دو بھائیون نے جنمیں سے ایک کا نام سرب باہو اور دوسرے کا نام دلیپ تھا سفر کے عزم پر ہمت کی کمر کو چست باندھکر معہ نوکر چاکر اور دیگر وابستگان کے اجودھیا پوری کی رہایش سے قطع تعلق کیا۔ اور منزل بمنزل طے کرتے ہوئے سب سے پہلے ہردوار میں پہونچے۔ جہان اُنھون نے خوب تپسیا کی۔

کچھ عرصہ کے بعد دونون بھائیون نے اس جگہ سے بھی کوچ کیا اور ستلج کے گرد و نواح میں پہونچے۔ اور اس سرزمین کی آب و ہوا کچھ ایسی پسند آئی کہ آخرکار وہان ہی آباد ہو گئے یہان اولاد بھی پیدا ہوئی۔ جو خوب پھلی اور پھیلی۔ حتےٰ کہ بڑھتے بڑھتے ہر چہار طرف پھیل گئی۔ اور ان میں سے

ہی ایک بزرگوار نے آکر جمون کی بھی بنیاد رکھی +

مگر گلاب نامہ کے مطابق جو کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ بہادر سرگباشی کے مشہور و معروف اور نہایت ہر دلعزیز دستور معظم دیوان کرپا رام صاحب کی تصنیف کردہ کتاب ہے جسکو دیوان صاحب موصوف نے پوری تحقیقات کے بعد تصنیف کیا تھا اور جو اس نامور راجپوت خاندان کی ایک مستند تواریخ ہے - مہاراجہ گلاب سنگھ کے بزرگون کی ابتدائی کیفیت یہ ہے - کہ رامچندر جی مہاراج کی اولاد میں سے جس شخص نے جموال راجپوتون کا خاندان چلایا - اور زمانہ قدیم میں اجودھیا پوری کی رہایش سے بیزار ہوکر معہ عیال و اطفال اور نوکر و چاکرون کے اپنے وطن کو خیرباد کہکر راہ مسافرت اختیار کی - اُس کا نام اگنی گر تھا +

یہ علوالعزم بزرگ کلجوگ سے ایک ہزار برس پیشتر اپنے وطن سے نکلا - پہرتے پہرتے پہلے اجمیر میں پہونچا - پہر ہردوار کو گیا یہان کسیقدر عرصہ تک تپسیا کرتا رہا - پہر یہان سے بھی طبیعت اوچاٹ ہوئی - اور پنجاب کے طرف رخ کرکے کوہستان سوالک میں جا ڈیرہ لگایا - (کوہستان سوالک کوہستان ہمالیہ کے اُن ابتدائی پہاڑون کے سلسلہ کا نام ہے - جو ہردوار سے شروع ہوکر ڈیرہ دُون - ناہن - کالکا - بلدسپور - کانگڑہ وغیرہ میں سے گذر کر جمون تک پہونچتا ہے) یہان سے اگنی گر کی نسل پھیلی اور ہر طرف اپنی قسمت آزمائی کرنے لگی حتے کہ اُن میں سے کچھ افراد نے دریاے ستلج کو بھی عبور کیا - بلکہ پنجاب کے دیگر دریاون سے بھی پار ہوکر آہستہ آہستہ جمون کے کوہستان میں بھی آ پہونچے اور جو لوگ وہان پہلے سے آباد تھے - اُن پر حکومت کرنے لگے +

اگنی گر کی آٹھوین پشت میں ایک راجہ پیدا ہوا - جس کا نام جامولوچن تھا - شہر جمون کا بسانیوالا یہی راجہ ہو گذرا ہے - اور جسطرح اس راجہ کو اس شہر کے آباد کرنیکا خیال گذرا - اوس کے متعلق ایک عجیب غریب وقوعہ بیان کیا جاتا ہے روایت ہے - کہ جامولوچن کو شکار کھیلنے کا بہت شوق تھا - ایک روز

اُس نے شکار کھیلتے ہوئے ایک ہرن پر تیر چلایا- ہرن زخمی تو ہو گیا لیکن اس پہاڑی پر جا چڑھا- جہاں اسوقت جموں آباد ہے- پیچھا کرتے ہوئے جامولوچن بھی اس پہاڑی پر جا چڑھا- ہرن تو خدا معلوم چوکڑیان بھرتے ہوئے یہہ جا وہ جا کہیں جا چھپا- لیکن جامولوچن دیکھتا کیا ہے- کہ اس پہاڑی کی چوٹی پر ایک تالاب ہے جس میں کسیقدر برساتی پانی جمع ہے- اور اس تالاب کے کنارہ پر ایک جگہ ایک شیر اور دوسری جگہ ایک بکری پانی پی رہے ہیں- لیکن نہ بکری ہی شیر سے ڈرتی ہے اور نہ شیر ہی اُس بکری کو اپنا شکار بنانا چاہتا ہے +

جامولوچن کو ان دونوں حیوانوں کے اس انوکھے نظارہ سے حیرت پیدا ہوئی شکار کا پیچھا چھوڑا- اور خود اس سوچ کا شکار ہوا- کہ اس شیر نے ایسی بزدلی کیوں اختیار کی- کہ بکری کیطرف دیکھتا بھی نہیں- اور وہ بکری ایسی شیر دل کس وجہ سے ہو گئی- کہ شیر کی کچھہ پرواہ ہی نہیں کرتی- آخر کار اس نے یہ رائے قایم کی- کہ دراصل یہ قطعہ زمین نہایت سخت ہے- اور اس میں کوئی ایسی تاثیر ضرور موجود ہے کہ جس کی برکت سے شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پانی پیتے تھے- اب دل میں یہ خیال گذرا کہ اس پہاڑی پر جو کہ گرد و نواح کی زمین سے بلند بھی ہے- جنگلوں سے بھی محدود ہے- دشوار گذار بھی ہے- اور ایسی تاثیر بھی رکھتی ہے- کہ زبردست شیر زیردست بکری پر حملہ نہیں کر سکتا- اگر ایک شہر بسایا جائے- تو اُس میں بھی یہ خوبی ضرور ہوگی- کہ کوئی زبردست کسی زیردست پر حملہ نہ کر سکیگا- یہ خیال کر کے اور اچھا مہورت دیکھکر جامولوچن نے جموں کو اپنے نام سے آباد کیا- جو اس دن سے اُس کی اولاد کا دار الحکومت چلا آتا ہے- حتی کہ اُس کی نسل میں سے بعض راجے جو اس کی جانشینی کرتے آئے ہیں واقعی طور پر بہت من چلے- بہادر نیک نام اور ہمہ صفت موصوف ہو گذرے ہیں +

جامولوچن کے جانشین راجاؤں میں سے ایک کا نام عہرپ دیو تھا- اس کے چار بیٹے تھے- ایک کا نام رنجیت دیو- دوسرے کا نام کشور دیو- تیسرے

نوٹ - جامولوچن سے مہاراجہ گلاب سنگھ تک جس قدر راجے ہو گذرے ہیں- اُنکا ذکر اس مختصر سی کتاب میں کرنا بہت مشکل ہے-

کا نام صورت سنگھ اور چوتھے کا نام بلونت سنگھ تھا +

رنجیت دیو جو اپنے باپ کے بعد اُس کا جانشین ہوا۔ ایک نامی راجہ ہو گذرا ہے۔ اور اُس کے دو بیٹے تھے۔ جن کے نام بجر دیو اور دلیل سنگھ تھے۔ اُن میں سے رنجیت دیو کے بعد جموں کی گدی کو بجر دیو نے زینت بخشی +

بجر دیو لاولد تھا۔ اس واسطے اس کے بعد دلیل سنگھ کا بیٹا جے سنگھ گدی پر بیٹھا +

دہرپ دیو کے دوسرے بیٹے کشور دیو کا صرف ایک بیٹا تھا جس کا نام لابھ سنگھ تھا +

میاں صورت سنگھ جو کہ دہرپ دیو کا تیسرا بیٹا تھا۔ تین لڑکوں کا باپ تھا جن میں سے ایک کو زور آور سنگھ۔ دوسرے کو میاں موٹا اور تیسرے کو میاں جھلا کہتے تھے۔ ان تینوں بھائیوں میں سے بڑے بھائی میاں زور آور سنگھ کا ایک لڑکا میاں کشور سنگھ تھا جو پیچھے سے راجہ کشورا سنگھ کے نام سے نامزد ہوا ہے۔ اس راجہ کشورا سنگھ کے تین بیٹے تھے۔ ان میں سے مہاراجہ گلاب سنگھ جو بانی اس ریاست کا اور سب سے بڑا لڑکا تھا۔ ۲۹۔ کاتک سمت ۱۹۴۹ بکرمی کو پیدا ہوا۔ دوسرا بیٹا راجہ دھیان سنگھ سمت ۱۸۵۴ بکرمی میں تولد ہوا۔ اور تیسرا لڑکا راجہ سوچیت سنگھ سمت ۱۸۵۸ بکرمی میں تولد ہوا +

مہاراجہ گلاب سنگھ کے تین بیٹے تھے۔ جن میں سے بڑے کا نام میاں اودہم سنگھ اور چھوٹے کا نام میاں سوہن سنگھ (جو لاہور میں مارے گئے) تیسرے کا نام جو سب سے چھوٹے تھے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ تھا۔ جو راجہ سوچیت سنگھ کی متبنیٰ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے جانشین تھے +

مہاراجہ گلاب سنگھ کا شجرۂ نسب

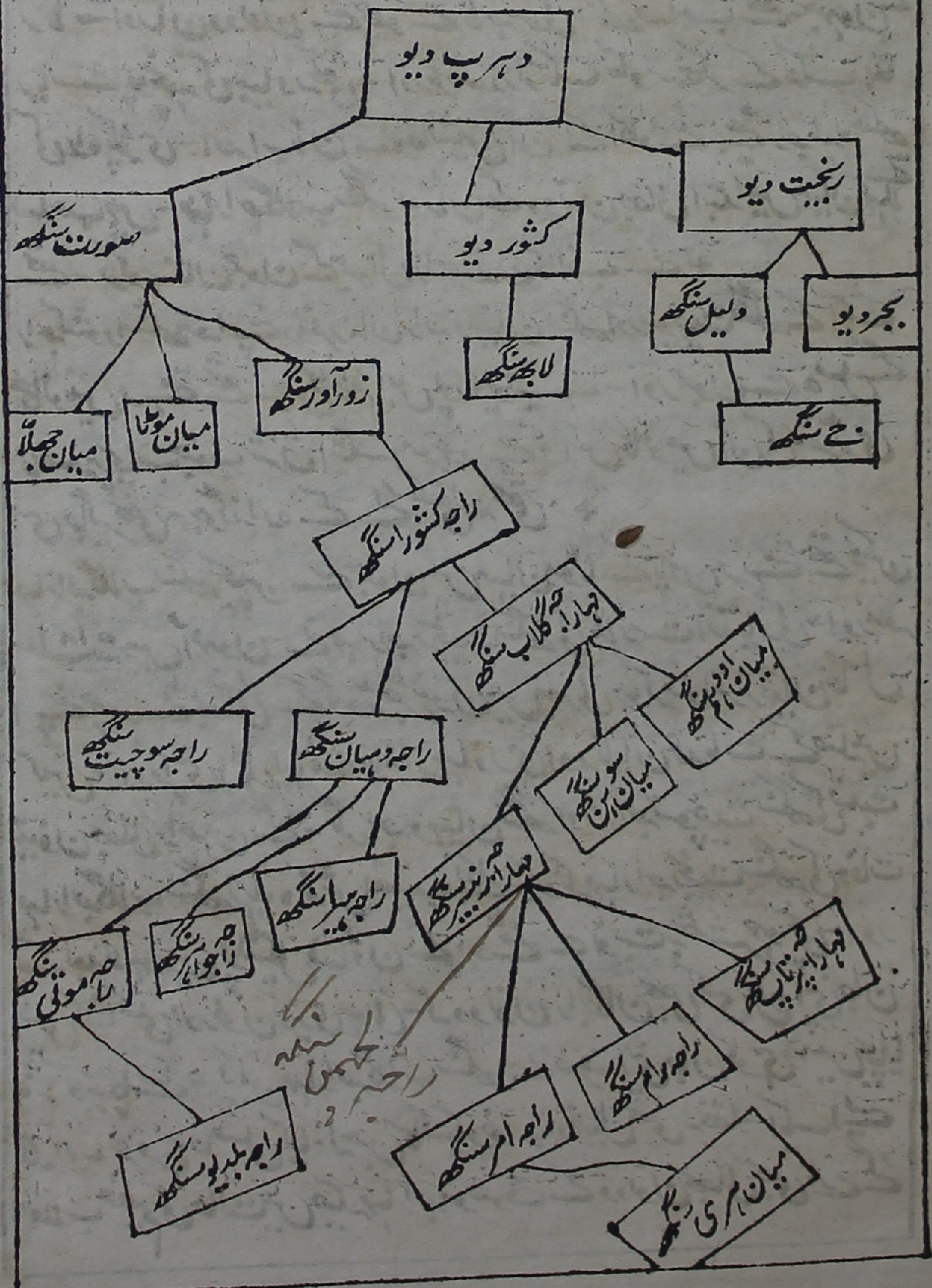
دھرپ دیو
سورت سنگھ
کشور دیو
رنجیت دیو
دلیل سنگھ
بجر دیو
لابہ سنگھ
جے سنگھ
زور آور سنگھ
میان موٹا
میان جھلا
راجہ کشور سنگھ
مہاراجہ گلاب سنگھ
میان ادھم سنگھ
میان سوہن سنگھ
راجہ سوچیت سنگھ
راجہ دھیان سنگھ
مہاراجہ رنبیر سنگھ
راجہ ہیرا سنگھ
راجہ جواہر سنگھ
راجہ موتی سنگھ
مہاراجہ پرتاپ سنگھ
راجہ رام سنگھ
راجہ لچھمن سنگھ
راجہ امر سنگھ
میان ہری سنگھ
راجہ بلدیو سنگھ

مہاراجہ دہیان سنگھ جو کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وزیر اعظم تھے۔ اُن کے بھی تین بیٹے تھے۔ بڑے کا نام راجہ ہیرا سنگھ جو لاہور میں سکھون کے ہاتھ سے مارا گیا اس سے چھوٹا راجہ جواہر سنگھ تھا جو سرکار انگریزی کے حکم سے انبالہ میں قیام پذیر رہا۔ اور ان دونون سے چھوٹے راجہ موتی سنگھ صاحب تھے۔ جنہون نے ریاست پونچھ کی بنیاد رکھی۔ اور عرصہ دراز تک حکومت کر کے ملک بقا کی راہ پکڑی۔ اور اب اُن کے جانشین اُن کے اکلوتے بیٹے راجہ بلدیو سنگھ صاحب ہیں۔ مہاراجہ گلاب سنگھ اور اُن کے دونون بھائی ابتدا میں میان کہلاتے تھے۔ جو کوہستان جمون کے جموال راجپوتون کا لقب ہے +

راجہ کشور سنگھ معہ اپنے دو فرزندان راجہ دہیان سنگھ اور سوچیت سنگھ کے ایک گانو میں رہتے تھے۔ جس کا نام اہل پور دیولیہ ہے۔ اور جمون سے ٥ میل کے فاصلہ پر بجانب جنوب شرق ابتک موجود ہے۔ اس گانو میں اُن کی تھوڑی سی جاگیر تھی۔ جو گذارہ کے لئے مکتفی نہ تھی +

مہاراجہ گلاب سنگھ بچپن سے جمون میں میان موٹا کے پاس رہتے تھے لیکن سنہ ١٨١٠ء میں اُنھون نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ملازمت اختیار کی۔ اور معہ اپنے چھوٹے بھائی کے گھوڑ چڑھون میں بھرتی ہو کر متواتر ترقیان حاصل کیں۔ اور اپنی اعلیٰ لیاقت جانبازنہ بہادری اور نمایان خدمات کے صلہ میں تینون بھائی راجہ بن گئے۔ مگر راجہ دہیان سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ کی نسبت مہاراجہ گلاب سنگھ زیادہ خوش نصیب نکلے۔ کیونکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد لاہور میں پولیٹیکل فسادون کے اٹھنے سے نوبت بہ شمشیر پہونچی۔ اور ایسی کشا کشی اور خونریزی ہوئی۔ کہ دونون راجگان بھی کسی طرح اپنی جان عزیز کو نہ بچا سکے۔ لیکن مہاراجہ گلاب سنگھ نے صرف اپنی جان کو ہی نہیں بچایا بلکہ ایسا عروج حاصل کیا۔ کہ جس کا کسیکو خواب و خیال بھی نہ تھا۔ ایک ایسے انقلاب عظیم کی حالت میں جبکہ مہاراجہ موصوف کے دونون بھائی مارے گئے

دو لڑکون نے بھی شہادت کی شربت پی لی۔ ایک بھتیجا بھی شہید ہوا۔ بلکہ اس گھر پھونک تماشہ کی آگ نے اور نہایت قیمتی اور واجب التعظیم اہلکارون کے سر پر بھی پانی پھیر دیا۔ مہاراجہ موصوف ہر ایک خطرہ سے صاف صاف بچ نکلے۔ اور اس جلتی آگ میں سے جس کے غضبناک شعلون نے کل پنجاب کو خاک میں ملا دیا۔ اُس کے جسم کو ذرہ بھی آنچ نہ لگنا صاف ظاہر کرتا ہے۔ کہ مہاراجہ موصوف کس دل اور دماغ کے آدمی تھے +

حق تو یہ ہے کہ یہ اُن کا ہی کام تھا۔ کہ ہر ایک خطرہ کو جہانتک ممکن ہوا۔ باتون ہی باتون میں ٹالا۔ اور جب کسی دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنیکی ضرورت پڑی۔ تو اُس کے وہ دانت کھٹے کئے کہ کیا کہنا ہے۔ کبھی زبان جادو بیان کی بلاغت سے کام لیا جاتا تھا۔ کہیں روپیہ کی تلوار سے دشمن کا پیٹ چاک کیا جاتا تھا۔ کیونکہ استادون نے کہا ہے۔ کہ دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ۔ کبھی تقریر خوش تدبیر سے وہ کام لیا۔ کہ جس کے آگے شمشیر زنی اور زرپاشی بھی ہیچ تھی۔ کسیوقت آپ ایک فریق کے معاون اور دوسرے فریق کے مخالف ہو جاتے تھے۔ اور کبھی اگر مصلحت وقت دیکھتے تھے۔ تو دونون فریقون سے کنارہ کشی اختیار کر کے تماشہ دیکھتے تھے۔ غرضیکہ مہاراجہ صاحب موصوف جیسے صاحب اقبال تھے۔ ویسے ہی صاحب تدبیر بھی تھے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کی پہلی بہادری

سمت ۱۸۵۸ بکرمی مطابق سنہ ۱۸۵۱ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اور شہرون اور قصبون کی دار وگیر کرتے ہوئے جمّون پر بھی چڑھائی کی- لیکن ڈوگرون نے ایسا سخت مقابلہ کیا- کہ سوائے واپس لوٹ جانے کے اور کوئی بات نہ بن پڑی +

سمت ۱۸۶۴ بکرمی مطابق سنہ ۱۸۰۷ء میں اُس کو پھر جمون کی فتح کا شوق ہوا- اور کمبخت سکھون کی فوج نے زیر کمان دیوان چند مصرا در سردار حکمان سنگھ چمنی پھر جمون پر حملہ کیا- اور مونھہ کی کھائی- اس وقت مہاراجہ گلاب سنگھ صرف ۱۶ برس کے لڑکے تھے- تمام ڈوگرے میان موٹا کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے- اور مقابلہ کے لئے گمٹ کا دروازہ پسند کیا- جہان میان موٹا معہ اپنی راجپوت بہادرون کے چلا گیا- اُدہر سے سکھ بھی آ گئے- اور جنگ شروع ہو گیا جس میں مہاراجہ گلاب سنگھ نے اپنی مردانگی کے خوب جوہر دکھائے- تلوار چلنے کی ہی دیر تھی- کہ اُس نے بےخوف ہو کر آگے بڑھ بڑھ کر حملے کرنے شروع کر دئے- اور تلوار سونتکر اس تیزی اور تندی سے سکھون پر جا پڑا کہ جسطرح کوئی شیر گرجکر بکریون اور بھیڑون کے گلّے پر جا پڑتا ہے- جس طرف للکار کے وہ حملہ کرتا تھا- اُس طرف کے سکھ بھاگ نکلتے تھے- اور میدان خالی ہو جاتا تھا- تین چار سکھون کو مہاراجہ گلاب سنگھ نے دیکھتے ہی دیکھتے مولی کیطرح کتر ڈالا- اب کس کی طاقت تھی- کہ آگے کو بڑھتا یا ایسے تند حملہ آور پر حملہ کرتا- سکھون کے چھکے چھوٹ گئے- کل فوج میں گھبراہٹ پھیل گئی- تمام سکھون کی نظر اس ہونہار لڑکے کیطرف تھی- دشمن بھی اُسکی بہادری کی داد دینے لگے +

اس جنگ میں ڈوگرے اس طرح سے جان توڑ کر لڑے- کہ سکھ لوگ حیران ہو گئے- اُدہر میان موٹا نے کچھہ روپیہ بھی خرچ کیا- اور بوجہان دونون باتون

کے جلد صلح ہوگئی - مگر دیوان چند مصر جو خود ایک لاثانی بہادر سردار تھا - مہاراجہ گلاب سنگھ کی دلاوری دیکھکر یہانتک خوش ہوا کہ لاہور مین پہونچکر اُس نے اُس ہونہار اور جانباز راجپوت لڑکے کی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس اَنحد تعریف کی، اور کہا کہ ڈوگرہ فوج مین اُس کو ایک ایسا راجپوت لڑکا نظر آیا - کہ جو اُس کے مونہہ چڑھتا تھا - اُس کو میدان اجل مین دے مارتا تھا +

مہاراجہ گُلاب سنگھ کا میان موٹا سے جدا ہونا

مہاراجہ گلاب سنگھ بچپن سے ہی اچھے سوار تھے - اور زین سواری کے بہت مشتاق تھے لیکن جب سوار ہوجاتے تھے - گھوڑے کو ایسا سرپٹ دوڑاتے تھے - کہ پھر پست وبلند کی کچھہ پرواہ نہین کرتے تھے +

اس جنگ کو جو اُن کی شہرت کا باعث ہوا - ابھی بہت کچھ عرصہ نہ گذرا تھا کہ ایک دن وہ سوار ہوئے جمون کی زمین پتھریلی تو تھی ہی - گھوڑے کو اس قدر دوڑایا - کہ وہ ادھ موا ہوکر لنگڑانے لگا - ایسی حرکتین انہون نے اس سے پیشتر بھی بارہا کی تھین - اور میان موٹا چشم پوشی کرتا رہا - لیکن اب کی دفعہ اُس نے کچھ سخت و سست کہا - بس پھر کیا تھا - نوجوان مہاراجہ جوش مین آگئے - اور فوراً بستر بوریا باندھکر سفر کی ایسی تیاری کردی - کہ میان موٹا کے پاس نہ رہنے کی قسم کھالی +

یہہ تو مہاراجہ گلاب سنگھ کو معلوم ہی تھا - کہ شیر پنجاب اُس کی تعریف سُن چکے ہین - اس واسطے سیدھا لاہور کا ہی رخ کیا - اور فقیر عزیز الدین سے جا ملے - اور آمد و رفت کا سلسلہ جیسا کہ امیدوارون کا قاعدہ ہے چندے جاری رکھا مگر یہ فقیر جو کہ دراصل ایک بڑا امیر کبیر تھا - اور جس کے دروازون پر اس قسم کے امیدوارون کا کوئی شمار ہی نہ تھا - اس خستہ حال ڈوگرہ راجپوت کی

کیا پرواہ کرنا ✤

دو تین ماہ تک تو مہاراجہ گلاب سنگھ فقیر عزیز الدین کے پاس آمد و رفت کرتے رہے۔ لیکن جب مطلب براری کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ تو لاچار آنا جانا چھوڑ دیا۔ اسی ضمن میں اُس کو معلوم ہوا۔ کہ شاہ شجاع کابل میں فوج کی بھرتی کر رہا ہے۔ پھر کیا تھا۔ فوراً کابل جانے کی ہی تیاری کر دی۔ اور معہ چند ہمراہیوں کے روانہ ہو پڑے۔ دریائے اٹک کے کنارے تک تو سب بخیریت تمام خوشیاں مناتے پہونچے۔ لیکن اب آگے کون جاوے۔ ساتھی سرکش ہو گئے۔ آگے ساتھ دینے سے اُنہوں نے صاف انکار کر دیا۔ کوئی بولا کابل مسلمانوں کا ملک ہے۔ کسی نے کہا کہ اٹک سے پار جانا شاستروں میں منع ہے۔ ایسی حالت میں مہاراجہ گلاب سنگھ کو مجبور ہو کر واپس لوٹنا پڑا۔ اور جہلم میں پہونچکر قلعہ ملول کے سپاہیوں میں بھرتی ہو گئے۔ یہ قلعہ جہلم قصبہ کے بالکل قریب ہے۔ مگر یہاں کا آب و دانہ بھی چنداں نصیب نہ تھا۔ اس واسطے اس قلعہ کے سپاہیوں کے ساتھ کچھ ایسی ان بن ہو گئی۔ کہ یہاں کی ملازمت ترک کر کے بھمبر کے راجہ سلطان خان کے پاس پہونچے۔ اُس نے انکو قلعہ کوٹلی میں بھرتی کر دیا ✤

ادھر اب میاں موٹا کی کیفیت سُنی۔ اُس نے مہاراجہ موصوف کو بچپن سے پالا تھا۔ اور گو مہاراجہ گلاب سنگھ اپنے اس فرشتہ خصلت بزرگوار سے روٹھ کر دیس بدیس سفر کر رہا تھا۔ لیکن میاں موٹا کی پدرانہ شفقت بدستور جوش زن تھی۔ جب سے مہاراجہ گلاب سنگھ اس کے سایہ سے نکلکر آفتاب کی طرح مسافرانہ حرکت میں تھا۔ تب سے اُس کو مہاراجہ گلاب سنگھ کے کوچ اور مقام کی مفصل خبریں پہونچا کرتی تھیں۔ حتی کہ جب وہ کوٹلی میں پھونچا۔ تو میاں موٹا نے ایک میاں کو جس کا نام میاں ہوشیارا تھا۔ اُس کے پاس بھیجا۔ کہ روٹھے ہوئے مہاراجہ کو منا لاوے۔ میاں ہوشیارا نے کوٹلی میں پھونچکر جیسے مہاراجہ کو بہت کچھ سمجھایا اور اُس کے سمجھانے سے اُن کی طبیعت پر بہت کچھ اثر بھی ہوا۔ مگر مہاراجہ موصوف

ایسے ہٹ دھرمی تھے - کہ جموں جانے سے قطعی انکار کر دیا - البتہ اپنے باپ کے پاس اسماعیل پور وپوایہ میں چلے گئے - جہان کچھ دنون کے بعد اون کی اور راجہ دھیان سنگھ کی شادیان ہو گئیں ✣

میان موٹا کا مارا جانا اور اُس کے قاتلوں سے مہاراجہ موصوف کا انتقام لینا

شادی ہونیکے بعد پھر مہاراجہ گلاب سنگھ کو ملازمت کا شوق پیدا ہوا - اور راجہ دھیان سنگھ نے بھی اوسکا ساتھ دینا چاہا - اب کی دفعہ کا سفر ایک اندھا دھند کوشش نہ تھی بلکہ کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہر ایک مناسب تدبیر وغیرہ سے کام لیا گیا تھا - حتی کہ ان کے باپ نے اپنے گانو کے ساہوکار دولو شاہ سے ایک معقول رقم لیکر دونون بیٹون کو دو گھوڑے معہ زین وغیرہ سامان کے خرید دیے - بلکہ میان موٹا سے بھی ایک سفارشی چٹھی بنام دیوان چند مصر لکھا دی - اب کیا تھا - دونون بھائی مونچھون کو تاو دیتے ہوئے رشتہ دارون سے رخصت ہوئے - اور بڑی آن بان کے ساتھ لاہور پہونچے - جہان وہ دیوانچند مصر کی خدمت مین حاضر ہوئے ✣

دیوان چند مصر کو یہ تو معلوم تھا - کہ بہادر گلاب سنگھ کس دل اور گروہ کا آدمی تھا - لیکن میان موٹا کی سفارشی چٹھی نے سونے پر اور بھی سوہاگے کا کام دیا اسلئے پہلی ملاقات مین ہی وہ دونون بھائیون کے ساتھ ایسی مہربانی سے پیش آیا - کہ خاطر توضع کی رسم بجا لانے اور ڈیرہ کرانیکے بعد اُس نے اُن کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حضور مین پیش کرا کر دونون بھائیون کو دربار مین حاضر باش رہنے کی اجازت دلا دی - اور گذارہ کیواسطے فی کس تین تین روپیہ فی یوم بھی مقرر کرا دے -

اب دونون بھائیون کے نصیب جاگے۔ تھوڑے سے عرصہ کی آمدورفت اور حاضر باشی سے اُنہون نے دربار کی نشست وبرخاست اور تمام طور طریقے اس حدتک سیکھ لئے۔ کہ وہ پکے درباری بن گئے۔

سنہ ۱۸۶۹ (مطابق سنہ ۱۸۱۲ء) مین وہ میان سنگھ کے رسالہ مین داخل کی گئے جہان مہاراجہ گلاب سنگھ کی تنخواہ فی یوم چار روپیہ اور راجہ دہیان سنگھ کے پانچ روپیہ مقرر ہوئے۔ راجہ دہیان سنگھ کو ایک روپیہ زیادہ اسواسطے دیا گیا۔ کہ وہ ڈیل ڈول اور قدوقامت مین بہ نسبت اپنے بڑے بھائی کے زیادہ بانکا تھا۔ حتی کہ اُس نے اپنی مختصر حاضر باشی کے ایام مین اپنے پسندیدہ اطوار سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو اس حدتک خوش کرلیا تھا۔ کہ اُس کا چھوٹا بھائی راجہ سوچیت سنگھ بھی سنہ ۱۸۱۲ء مین طلب ہوکر ملازم کیا گیا۔ جو اُن دنون صرف بارہ برس کی ہی عمر کا تھا +

اب ذرا میان موٹا کی کیفیت سُننی

یہ عقلمند اور بہادر میان رانی بہندرال کے متوفی خاوند کا وزیر تھا۔ رانی مذکور جوش جوانی اور غرور حکومت سے دیوانی ہوکر چاہتی تھی۔ کہ عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لیکر من ثانی موجین اڑادے۔ جس سے اُس کی مختصر سی حکومت اور ننگ وناموس کے خراب ہوجانے کا اندیشہ تھا۔ اس واسطے اس دیرینہ سال اور تجربہ کار وزیر کی پند ونصایح سے عاجز آکر اُس کی جان کی لاگو ہوگئی۔ اور میان موٹا کے قتل کی ایک ایسی گہری سازش کی۔ کہ جب تک وہ بیچارہ مارا نہ گیا۔ تب تک اُسکو اس سازش کا بالکل کچھ خواب وخیال بھی نہ تھا +

جن دنون مہاراجہ گلاب سنگھ اور راجہ دہیان سنگھ لاہور مین جاکر ملازم ہوئے انہی دنون مین ایک دن میان موٹا حسب معمول شام کیوقت محلات کو جارہا تھا۔ اور جیسے ہی وہ ڈیوڑھی مین داخل ہوا۔ ویسے ہی دو نرائینیا خاندان کے راجپوتون

نے جو چھپے ہوئے بیٹھے تھے۔ فوراً حملہ کیا۔ اور بیچارے بیبجز اجل رسیدہ میان موٹا کو تہ تیغ بیدریغ کیا۔ ان قاتلون میں سے ایک کا نام میان سونتھرو اور دوسرے کا نام میان نرڑو تھا ∴

یہ وقوعہ سمہ ۱۸۶۹ بکرمی مطابق سنہ ۱۸۱۲ء کا ہے۔ جس کے بعد میان موٹا کے یہ دونون قاتل لاہور کو چلے گئے۔ اور سنہ ۱۸۱۳ء میں ایک اور رسالہ میں ملازم ہو گئے۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ کہ لاہور میں آکر سونتھرو نے اپنا نام گوکل اور نرڑو نے دامودر سنگھ رکھا۔ اور یہ نام کی تبدیلی شاید اُنہون نے مہاراجہ گلاب سنگھ اور اس کے بھائیون کے خوف سے کی۔

میان موٹا کے قتل ہو جانیکی کیفیت مہاراجہ گلاب سنگھ بھی سُن چکا تھا۔ اور اُسکو یہ بھی معلوم تھا۔ کہ مقتول مذکور کے قاتلون کو اُن کی موت نے بہ بہانہ ملازمت لاہور میں جا پہنچا رکھا ہے۔ اس لئے اب اُسکو اپنے اُس مقتول شدہ بزرگ کے خون کا انتقام لینے کی سوجھی۔ اور ایک خون کے بدلے دونون قاتلون کے خون کا پیاسا ہوا۔ یہ دونون قاتل ایک مقررہ وقت پر روزمرہ بہاٹی دروازہ کو جانے کے عادی تھے۔ اور جسوقت یہ اجل رسیدہ دونون میان اُس راستہ سے گذرا کرتے تھے۔ انتقام گیر مہاراجہ کو بھی اُس کی ٹھیک خبر مل گئی۔ بس اب دیر ہی کیا تھی۔ ایک دن مہاراجہ گلاب سنگھ اور دھیان سنگھ مسلح ہوکر اپنے گھوڑون پر سوار ہو گئے۔ اور بہاٹی دروازہ کو چل پڑے۔ اتفاق سے اودہر سے میان موٹا کے یہ دونون قاتل بھی آنکلے۔ اور بھاٹی دروازہ کے باہر دوچار ہو گئے۔ بلکہ آپسمیں ان چارون سوارون کی صاحب سلامت دجے دیوا بھی ہوئی۔ جس کے بعد ہر دو قاتل دروازہ کیطرف چلے گئے۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ اور دھیان سنگھ بھی مصلحتاً اپنے خون آلودہ ارادہ کو پوشیدہ رکھنے کیواسطے چند قدم آگے کو بڑھ گئے۔ جب ہر دو فریق کے درمیان اس طرح سے چند قدمون کا فاصلہ پڑ گیا۔ تو مہاراجہ گلاب سنگھ نے چپکے سے

نوٹ۔ میان موٹا کی سمادہ ابتک جمون میں اندرون دیوڑھی میں موجود ہے۔

اپنے گھوڑے کو لوٹا کر ہر دو قاتلوں پر وار کر دیا۔ دامودر سنگھ کا کام تو وہاں ہی تمام ہو گیا۔ گوکل سنگھ بھی کسیقدر زخمی ہوا۔ لیکن بھاگ نکلا۔ اور کہیں روپوش ہو گیا۔ اس قتل سے شہر لاہور میں سخت سنسنی پھیل گئی بلکہ مقتول جس رسالہ میں ملازم تھا۔ اس رسالہ کے سوار انتقام لینے پر تیار ہوئے مگر مہاراجہ گلاب سنگھ اور راجہ دھیان سنگھ موقعہ واردات سے رفو چکر ہو چکے تھے۔ آخر کار یہ معاملہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے کانوں تک پہونچا۔ اُسنے مصر دیوان چند کی سفارش سے صرف یہ خون معاف ہی نہیں فرمایا بلکہ یہاں تک مہربان ہوا کہ یہ ارتکاب جرم ایک اعلیٰ قسم کی بہادری کا کارنامہ خیال ہو کر ہر ایک بھائی کو اس دن سے آٹھ آٹھ روپیہ یومیہ ملنے لگے +

راجہ سلطان کا قید ہونا

اکھنور اور مناور کے مابین جسقدر سرزمین ہے۔ یہ تمام علاقہ سلطان خان کے ماتحت تھا۔ اسکی سالانہ آمدنی اُسکو ۹ لاکھ روپیہ ہوتی تھی۔ یہ علاقہ چبال کا ایک حصہ ہے چبال کی آبادی زیادہ چبوں کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرزمین کا نام چبال یعنے (چبہ آلہ) چبوں کا گھر پڑ گیا۔ چبہ لوگ کانگڑہ کے چندربنسی راجاؤں کی اولاد میں سے ہیں اور بہت بہادر ہیں۔ انکی تاریخ الگ لکھی جائیگی۔ یہاں صرف اس قدر لکھنا کافی ہوگا۔ کہ چبوں کا اخیر راجہ سلطان خان ہو گذرا ہے جسکا صدر مقام بھمبر تھا +
سمت ۱۸۶۷ مطابق سنہ ۱۸۱۰ء میں دیوان چند مصر نے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ایک نامی گرامی سردار اور اکثر ملکوں کا فاتح تھا۔ ایک لشکر عظیم لیکر اس بہادر راجہ پر بھی چڑھائی کی راجہ سلطان خان نے سخت مقابلہ کیا۔ مگر ایک کا علاج دو۔ سکھوں کی فوج بہت زیادہ تھی۔ اس واسطے دیوان چند مصر نے اوسکا کچھ علاقہ چھین کر اُس کے قریبی رشتہ دار راجہ اسماعیل خان کے سپرد کیا +
سلطان خان بقول اسکے کہ دست نارسا پارسا۔ اس موقعہ پر اپنی

کمزوری اور نالے لبسی دیکھکر چپ ہو رہا۔ اور کچھ عرصہ تک اُس کمی کو جو اُسکی فوج مین بوجہ اس جنگ کے ہوئی تھی۔ درست کرتا رہا۔ پھر قلیل عرصہ تک اُس کے پر و بال یہانتک نکل آئے۔ کہ سمونت ۱۸۷۱ مین اُس نے پھر جنگ شروع کر کے راجہ اسماعیل خان کو مار ڈالا۔ اور جو ملک ہاتھ مین سے نکل گیا تھا۔ اس پر پھر قابض ہو گیا ✤

سکھ لوگ ہمیشہ بہانہ کی تلاش مین رہا کرتے تھے۔ اسماعیل خان کے مارے جانے نے انکو سلطان خان پر چڑھائی کرنیکا پھر موقعہ دیا۔ بہادرون کی چاندی ہوئی۔ تیاری جنگ اور انتظام گیری کے احکام جاری ہوئے۔ سکھون کی فوج کے ایک ٹڈی دل نے کوچ کیا ادھر سلطان خان نے بھی مقابلہ کے لئے خوب تیاری کر رکھی تھی۔ اُس نے اپنی ساری فوج کو ایک چھوٹی سی پہاڑی پر جمع کیا۔ خالصہ جی کی فوج بھمبر مین رفتہ رفتہ داخل ہوئی۔ راستہ مین کسی نے روک ٹوک نہیں کی۔ مگر جب فوج مذکور اس پہاڑی کے نزدیک پہونچی۔ چبالیون نے مقابلہ کیا۔ دونون طرف سے سخت کشت و خون ہوا۔ اور بوجہ عمدہ موقعہ ہونے کے سکھون نے تین متواتر شکستین کھا کر یہانتک پست حوصلہ ہوئے۔ کہ سوائے پسپا ہونیکے اور کوئی چارہ نظر نہ آیا ✤

ایک تواریخ مین لکھا ہے۔ کہ اس موقعہ پر سکھ لوگ آخر کار راجہ سلطان خان کو چالبازی سے گرفتار کر کے لاہور مین لیگئے۔ اور وہان سے انہون نے اُسکو جمّون مین مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس بھیجدیا۔ لیکن یہ سراسر غلط معلوم ہوتا ہے۔ البتہ قیاس یہ چاہتا ہے۔ کہ جب سکھون کو سلطان خان نے متواتر تین شکستین دین۔ تو واپس ہونے سے پیشتر انہون نے اُس کے ساتھ بطور ظاہرداری کے کسی قسم کی صلح ضرور کر لی تھی۔ اور چند سال کے بعد اُن کی فوج بارادہ فتح کشمیر بھمبر مین داخل ہوئی۔ اس موقعہ پر سلطان خان نے سکھون کو اپنے ملک مین سے راستہ دینے سے

انکار نہیں کیا۔ بلکہ بظاہر اُن کا دوست اور مددگار بنگیا۔ اور اندر خانہ فوج مذکور کی تباہی کے خیال میں پڑ گیا۔ سکھوں کو یہ تو معلوم تھا ہی نہیں۔ کہ روانگی کشمیر کیواسطے کونسا راستہ عمدہ ہے اور کونسا راستہ خراب ہے۔ اس لئے سلطان خان نے سکھوں کی اس بیخبری سے فائدہ اُٹھا کر اُن کا رہنما یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ انکا گمراہ کرنے والا بن گیا۔ اور اُن کی فوج کو ایک ایسی خطرناک پکہ ڈنڈی کے راستہ لیگیا۔ کہ جس کے خاتمہ پر ایک بڑا بھاری پہاڑ کا ڈنڈا تھا اور اس ڈنڈے کے نیچے بہت عمیق پانی تھا۔ دن کے غروب ہونے پر سلطان خان نے اس اجل رسیدہ فوج کا مقام اسی ڈنڈے کے متصل کرایا۔ اس جگہ کا نام چھچھبر ہے۔ جب رات پڑ گئی۔ تو بکریوں کے سینگوں کے ساتھ چوب چراغ باندھکر اور اون کو روشن کر کے فوج مذکور کے ڈیرے کیطرف ہانک دیا اور چند آدمیوں نے کچھ بندوقوں کے فیر بھی سکھوں پر کئے۔ سکھوں نے جب اسطرح بندوقوں کی آواز بھی سُنی۔ اور ہزاروں مشعلیں بھی جلتی دیکھیں۔ تو اُن کو یقین ہوا کہ دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ اور اس خیال سے ایسے گھبرائے۔ کہ بجائے مقابلہ کرنے کے جان بچانے کیلئے سب کے سب اُس ڈنڈے کی طرف بھاگ نکلے اور بوجہ بیخبری راستہ کے اور شب کی تاریکی کے اُس ڈنڈے سے گر کر خاصی تعداد تو پانی میں ڈوب مری۔ اور بیشمار سکھ اُن چیل کے درختوں میں جا چھپے۔ جو اوس ڈنڈے پر کثرت سے موجود تھے۔ گویا اسطرح سکھوں کی تمام فوج سوائے کسی ساتھ جنگ کرنے کے خود بخود تباہ ہو گئی۔ سکھوں نے اپنی فوج کی اس تباہی کا حال کہیں بھی درج نہیں کیا ہے۔ لیکن چبال میں اس بربادی کی واقفیت چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی ہے۔ بلکہ اکثر اشخاص کا عقیدہ ہے۔ کہ چھچھبر کے جس مقام پر سکھ لوگ اس طرح دغا کے ساتھ تباہ کئے گئے تھے۔ وہاں سے ہر جمعرات کو اب بھی مارو مارو کی آواز آتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر کیا جاتا ہے۔ کہ اکثر اشخاص کو اس موقعہ سے ٹوٹے ہوئے جنگی ہتھیار بھی ہاتھ آجاتے ہیں :

معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس بربادی کے بعد سکھوں نے پھر کوئی چڑھائی راجہ سلطان خان

پر نہیں کی۔ بلکہ اُن کو یقین آگیا کہ جب تک اس دغاباز راجہ کے ساتھہ دغا نکیا جائیگا تب تک اُس کا قابو آنا مشکل ہے۔ اس لئے مہاراجہ رنجیت سنگھہ نے اس کی تباہی کیواسطے مہاراجہ گلاب سنگھ کو ایما کیا جنہون نے راجہ سلطان خان کیساتھہ برائے بہانہ دوستی لگائی۔ اور اپنی برائے نام دوستی کا اُس کو یہانتک یقین دلایا۔ کہ ایک مشورہ کے بہانہ سے ایک دن اُس کو جموون میں طلب کیا۔ چونکہ راجہ سلطان خان کا اقبال اوسکا ساتھہ چھوڑ چکا تھا۔ اُس نے جموون کی روانگی کی تیاری کردی۔ اور گو اُس کے وزیر برہان خان نے جو کہ نہایت دانا معاملہ فہم اور دور اندیش آدمی تھا۔ اُس کو بہت سمجھایا۔ اور اس خطرناک ارادہ سے باز آنیکی فہمایش کی۔ مگر اس بد نصیب راجہ کی کچھہ ایسی عقل ماری گئی۔ کہ اپنے وفادار وزیر کی ایک بھی نہ مانی۔ اور جموون کو روانہ ہوگیا۔ جب سلطان خان جموون کی حدود میں داخل ہوا۔ تو مہاراجہ گلاب سنگھہ اُس کی پیشوائی کے واسطے تشریف لیگئے۔ بوقت ملاقات نہایت عزت سے پیش آئے۔ اور اپنے ساتھہ اُس کو فیل سوار کراکر بہانہ سیر کرانیکے قلعہ باہو میں لیگئے۔ جہان اُس کے قید بھگتنے کا سب انتظام پہلے سے ہی ہو چکا تھا۔ چنانچہ جسطرح سے سکھون کی فوج کو اُس نے عالم بیخبری مین ہجو پیر مین تباہ کیا تھا۔ اوسی طرح سے وہ خود بھی حالت بیخبری میں ہی قلعہ باہو میں قید ہوگیا۔ بلکہ یہان اوس کی آنکھون کی روشنی بھی اُس سے رخصت ہوئی۔ سلطان خان کی گرفتاری کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھہ نے اُسکے وزیر سے دریافت کیا۔ کہ اگر تم نمک حلال تھے۔ تو راجہ سلطان خان کو جموون آنے سے کیون نہیں روکا۔ اُس نے اپنی جیب میں سے ایک تحریر نکالکر دی جسپر سلطان خان کے دستخط تھے۔ اور جس سے صاف ثابت ہوتا تھا۔ کہ سلطان خان برخلاف مشورے اپنے وزیر کے جموون آیا تھا۔ اس تحریر کو دیکھکر مہاراجہ گلاب سنگھہ برہان خان پر از حد خوش ہوا۔ اور بااظہار اپنی مہربانی اور قدردانی کے برہان خان کو پانسو روپیہ کی جاگیر بخشی۔ جو جاگیر ہنوز اُسکے

جانشینون کو ابتک ملتی ہے۔ برہان خان ساکن کہوری علاقہ چبال تھا۔ اور لال خان اور اوسکا پوتا گھوڑ چڑہون میں ملازم ہے۔ برہان خان جمون میں بھی سلطان خان کے ساتھہ آیا تھا۔ اُس نے سلطان خان کو بوقت روانگی از گجرات اور بوقت داخلہ جمون یعنے دو دفعہ منع کیا تھا۔ سلطان خان کے اسطرح قید ہو جانے سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو بہت خوشی ہوئی۔ اور بصلہ اس خدمت کے اُس نے سلطان خان کے علاقہ میں سے مہاراجہ گلاب سنگھ کو چالیس ہزار روپیہ کی جاگیر دی۔ مگر گلاب نامہ میں لکھا ہے۔ کہ یہ جاگیر راجہ دہیان سنگھ کو دی گئی تھی۔ جب راجہ سلطان خان اسطرح سے قلعہ باہو میں قید ہوا۔ تو اُس کے لڑکے نے قلعہ باہو میں سُرنگ لگا کر اُسکو بھگا لیجانے کے خیال سے قلعہ مذکور سے نکال لیا۔ لیکن سلطان خان پھر پکڑا گیا۔ اور بجائے قلعہ باہو کے قلعہ سلال میں رکھا گیا یہان ایک اور شخص رائے ڈہلا ساکن ریاسی بھی قید تھا اسکے بیٹے نے اُس کے نکال لیجانیکے واسطے اس قلعہ میں سُرنگ لگائی۔ اور اخیر پر قیدیون میں شیرینی تقسیم کرنے کے بہانہ قلعہ میں داخل ہو کر اُس کمرے کو دیکھ آیا۔ جسمیں اُس کا باپ قید تھا۔ اور سُرنگ اُس کمرے میں پہونچائی۔

ان دنون میں فیض طلب خان ولد سلطان خان نے اپنے مددگارون کی مدد سے جنمیں علاوہ چبون کے جرال بھی شامل تھے۔ اپنے باپ کے آزاد کرانے کیواسطے پونی بہارک میں جنگ کیا۔ لیکن جرال لوگ جاگیرین لیکر اُس سے جدا ہو گئے۔ اور فیض طلب خان مغلوب ہو کر مفرور ہوا۔ جس کے بعد سلطان خان قلعہ سلال سے قلعہ گجیٹ میں لیجایا گیا۔ جہان آخر کار ایک عرصہ کے بعد اُسکی روح نے اُسکے جسم عنصری سے رہائی حاصل کی۔ اور قبر اُسکی چندر کوٹ میں ابتک موجود ہے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سلطان خان نے اپنی موت سے پیشتر ایک کہتری کے ساتھہ کچھہ تعلق پیدا کر کے اُسکو وصیت کر رکھی تھی۔ کہ اوسکی قبر پختہ بنائی جائے کہتری مذکور نے اُس وصیت کے پورا کرنیکیواسطے یہ مشہور کیا۔

کہ اوس کو سلطان خان خواب میں آتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ اُسکی یہ بھی قبر پر دیا رکہا جاوے۔ اُس نے یہ بھی مشہور کیا۔ کہ اُس نے دو دفعہ یہ خواب دیکھا تھا۔ پھر قبر مذکور پر اول اُس نے چراغ رکہنا شروع کیا۔ اور ازان بعد پختہ قبر بنانیکے لئے مسالحہ جمع کیا۔ آخر کار راز افشا ہو گیا۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ نے وزیر پنوں کو ہدایت کی۔ کہ بعد تحقیقات کے قبر کا بنایا جانا روکا جائے۔ چنانچہ وزیر پنون نے تحقیقات کرنے کے بعد رپورٹ کی۔ اور کہتری مذکور پر آٹھ سو روپیہ جرمانہ ہوا۔

سلطان خان کی گرفتاری کے بعد سکھون نے راجہ اغر خان اور عظمت اللہ خان والیان رجوری پر حملہ کرنے شروع کر دیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ راجہ اغر خان اور عظمت اللہ خان کو سکھون نے ماتحت بنا کر اُن کا کل یا جزوی علاقہ اُن کو واپس دیدیا۔ اور ہر دو راجگان لاہور میں آمد و رفت کرتے رہے۔ جس کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ کو کشمیر کی فتح کا خیال پیدا ہوا۔ اور راجہ عظمت اللہ خان نے لاہور میں امداد دیکر اور کشمیر کو فتح کرا دینے کا اقرار کیا۔ لیکن جب سکھون کی فوج بہ ارادہ فتح کشمیر رجوری کے قریب پہونچی۔ تو اغر خان اور عظمت اللہ خان کے ایک دور اندیش کشمیری مشیر نے اُن کو مدد دینے سے روکا اور کہا۔ کہ اگر سکھون کی عملداری کشمیر میں ہو جائیگی۔ تو پھر تم کو نہ کشمیر کے چاول نصیب ہونگے نہ یہان آرام کے ساتھ بیٹھ سکو گے۔ بلکہ سکھ لوگ ہمیشہ اسی راستے سے چلکر تمہاری چھاتی پر مونگ دلا کرینگے۔ کشمیری مذکور کی اس تقریر سے ہر دو راجاؤن کی آنکھیں کھلیں۔ بجائے مدد دینے کے سکھون کی فوج کو گمراہ کر کے تباہ کیا۔ جس پر سکھون نے انتقام گیری کے لئے رجوری پر حملہ کیا۔ اور راجہ اغر خان اور عظمت اللہ خان نے جب دیکھا کہ نہ تو وہ سکھون کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ نہ اُن کے ہاتھ سے اپنے جان و مال اور عزت کو بچا سکتے ہیں۔ تو لاچار ہو کر اپنے ملک کو خیر باد کہکر شمال کیطرف چلے گئے۔ اور شمال کے اُن پہاڑون

میں جبکہ ہنوز سکھون کو کوئی علم ہی نہ تھا۔ جا چھپے۔ اور وہان سے انہون نے سکھون پر چھاپے مارنے شروع کر دیے۔ اور ایسی لوٹ مار مچائی کہ سکھون کا ناک میں دم آگیا۔ جہان جو سکھ نظر آتا تھا۔ اُس کو وہ مار کر اُس کا مال و اسباب لوٹ لیجاتے تھے۔ سکھون نے ان ہر دو راجاؤن کے ملک پر قبضہ تو آسانی سے کر لیا تھا۔ لیکن حکومت کا قایم رکھنا بہت مشکل ہو گیا۔ نہ کوئی کاردار کارداری کرنیکی جرات لاتا تھا۔ نہ مالیہ ہی وصول ہوتا تھا کیونکہ جو سکھ مفصلات میں کسی کام کیواسطے جاتا تھا۔ اوسکا کام ہی تمام ہو جاتا تھا +

ایسی حالت میں سکھون نے راجہ عظمت اللہ خان جسکو بعض مورخین نے غلطی سے عزیز خان لکھا ہے۔ اور اغر خان کی گرفتاری کیواسطے بھی بہت منصوبے کیے۔ لیکن کوئی تدبیر موافق نہ پڑی۔ اور دونون راجاؤن کے حوصلہ بہت بڑھ گئے۔ بلکہ اگر انکی مار دھاڑ چندے اسیطرح جاری رہتی تو ضرور تھا کہ وہ سکھون سے اپنا ملک لاٹھی کے زور سے واپس لے لیتے +

مہاراجہ رنجیت سنگھ کو پہلے تو یقین تھا کہ اُس کے کارداران دونون راجاؤن کو کسی نہ کسی حکمت سے ضرور گرفتار کر لینگے۔ لیکن جب اُس نے دیکھا۔ کہ کارداران مذکور بالکل عاجز آ گئے ہیں۔ اور بدعملی اور لوٹ مار دن بدن زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ تو لاچار ہو کر راجہ اغر خان اور عزیز خان کی گرفتاری کا حکم بھی مہاراجہ گلاب سنگھ کو ہی لکھا +

یہان دیر کیا تھی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے اس حکم کے وصول ہوتے ہی امرگڈھ میں جا ڈیرہ لگایا۔ اور اس مقام سے گرد و نواح کے زمیندارون کے ساتھ خط و کتابت اور نامہ پیغام شروع کر کے اپنا میل ملاپ بڑھایا۔ اور ملکی حالات سے واقفیت حاصل کر کے ایسا منصوبہ چلایا۔ کہ تھوڑے دنون کے بعد ہی زبردست خان والی نار نے اغر خان کو گرفتار کر کے قاسم بیگ کی حراست میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس مقام امرگڈھ

میں پہونچایا۔ چند روز کے بعد ایک اور زمیندار نے راجہ عظمت اللہ خان کو بھی گرفتار کرکے امرگڈہ میں بھیجدیا +

انہی دنون کی بات ہے۔ کہ ایک دن مہاراجہ گلاب سنگھ ان سرکش راجاون کی گرفتاری کے منصوبے باندھتا باندھتا جب تھنہ میں داخل ہوا۔ تو یہان ایک فقیر کے تکیہ پر جسکا نام خیر اللہ شاہ تھا پہونچا۔ اور اُس سے ملاقات کی۔ فقیر بہت مہربانی سے پیش آیا۔ بلکہ چند خوبانیان جو اُس کے پاس پڑی ہوئی تہیں۔ کمال مہربانی سے اوٹھا کر مہاراجہ گلاب سنگھ کو اپنے ہاتھ سے دیں۔ اور ہنستے ہنستے اپنی زبان سے یہ کلمہ فرمایا۔ کہ اے گلاب سنگھ اگر یہ تمام پہاڑ جو تمہارے چارون طرف ہیں۔ تمکو مل جائیں۔ تو اس فقیر کو کیا دلاوگے +

مہاراجہ موصوف نے جسکو اس بات کا نہ کوئی خواب و خیال تھا۔ اور نہ اس حد تک ترقی پانے کی کوئی امید تھی۔ جواب دیا کہ اگر تمہاری بات درست ہو جائے۔ تو جسقدر اراضی اسوقت تمہارے قبضہ میں ہے۔ اوسکا لگان معاف کر دیا جائیگا۔ اور پشت در پشت وہ اراضی تمہاری اولاد کی جاگیر سمجھی جائیگی +

خیر اللہ شاہ نے مہاراجہ گلاب سنگھ سے اوسیوقت ایک اقرار نامہ لکھوا لیا۔ اور کہا کہ ایسا وقت آنیوالا ہے۔ کہ جب تم اس تمام کوہستانی ملک کے خودمختار مہاراجہ بن جاوگے۔ چنانچہ پیچھے سے ایسا ہی ہوا۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ نے بھی اپنا وعدہ پورا کیا۔ حتی کہ وہ معافی اور اقرار نامہ اس فقیر کے وارثون کے پاس ابتک موجود ہے +

سکھون کی بغاوت اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی لشکرکشی

راجہ سلطان خان کی گرفتاری کے بعد سکھون نے جسقدر ملک اس گرد و نواح میں فتح کیا۔ اوسکا انتظام سردار لال سنگھ کے سپرد ہوا جو پیچھے راجہ بن گیا۔

لیکن سردار لال سنگھ سے کچھ تو بوجہ جبرالون اور چبون کی متواتر سرکشیون کے اور کچھ بوجہ اس امر کے کہ سردار لال سنگھ کو راجہ دہیان سنگھ کا پسر کردہ تھا۔ لیکن پیچھے سے اُس کی راجہ دہیان سنگھ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے ساتھ سخت مخالفت ہوگئی تھی۔ بوجہ جسکے مہاراجہ گلاب سنگھ نے بھی اُس کی حکومت چلنے نہ دی اس لئے اُس ملک کا انتظام نہ ہوسکا اور اُس کی بدنظمی دیکھکر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس علاقہ کا انتظام راجہ دہیان سنگھ کے سپرد کیا۔ اور راجہ صاحب مذکور نے اس علاقہ کی حکومت دیوان کشن گوپال کے سپرد کی۔ جو مہاراجہ گلاب سنگھ کا ایک اہلکار تھا۔ دیوان کشن گوپال کی تبدیلی کے بعد اُسکی جگہ دیوان لبھو رائے مقرر ہوا۔ اور اُس کا مشیر پہوچھ کا ایک زمیندار بنایا گیا۔ جسکا نام شمسا سودھن تھا۔ یہ شخص راجہ صاحب موصوف کی مونچھ کا بال بنا ہوا تھا۔ اُن کی دانست میں ایک نہایت شریف دور اندیش اور نمک حلال آدمی تھا + لیکن مہاراجہ گلاب سنگھ شمسا سودھن کو اچھا آدمی نہیں جانتے تھے۔ نہ انہون نے اُس کے تقرر سے اپنا اتفاق رائے ظاہر کیا تھا۔ بلکہ وہ اس تقرر کو ایک خطرناک کارروائی تصور فرماتے تھے۔ چنانچہ پیچھے سے سچ مچ ایسا ہی ثابت ہوا +

ابتدا میں تو شمس الدین سودھن نے اپنا اعتبار بخوبی جمایا۔ اور ہر ایک کارروائی مین خوب نام حاصل کیا۔ مگر جون جون اُسکی طاقت بڑھتی گئی۔ تون تون اوسکے دل مین ایک قسم کی خودسری اپنی جگہ کرتی گئی۔ اور آہستہ آہستہ نوبت یہان تک پہونچی۔ کہ اُس نے ایک گہری سازش کی بنیاد رکھکر فتنہ و فساد اور بغاوتین کرانی شروع کردین۔ اور آخر کار ایسا بیخود۔ بیخوف اور خودسر ہو گیا۔ کہ اُس نے کل علاقہ کی حکومت برملا طور پر اپنے ہاتھ مین لیکر مستعینہ قلعہ گیر فوج کو بھی ملک سے نکالدینا چاہا۔ حتی کہ بیشمار جنگ و جدل اور کشت و خون کے بعد اُس نے تقریباً تمام قلعون کو قلعہ گیر سپاہیون سے چھوڑوا کر ان پر

اپنا قبضہ کر لیا۔ اور قلعہ گیر فوجون کو مار بھگایا۔ ہندون سے اس ظالم اظلم کو از حد نفرت تھی۔ بلکہ اُن کا یہانتک تشنہ وخون تھا۔ کہ جو ہندو اُس کے ہتھے چڑھا اُس کو بڑے عذابون سے قتل کیا۔ اکثر ہندون کو اُس نے بھوکھا پیاسا رکھا۔ اور قتل کرنے سے پیشتر اُن کو اس نے وہ گوشت کھلایا۔ کہ جسکی ہندو لوگ قسم کھاتے ہیں۔ یا جس جانور کی وہ بہت تعظیم کرتے ہیں۔ اُس نے اُن کو اُسی کا گوشت کھلایا۔ اس دیو لعین کو عورتون یا بچون پر بھی رحم نہ آتا تھا۔ جو ہندو عورت یا بچہ اُس کے قابو آیا۔ اُس کو بھی کمال بے رحمی کے ساتھ تہ تیغ بیدریغ کیا ✣

حتی کہ اس شیطان مجسم بنی نوع کے دشمن نے حاملہ عورتون کے پیٹ چاک کرا کر اُن کے جنین بھی مروا ڈالے۔ حق تو یہ ہے۔ کہ شمس الدین لعین نے کشت وخون اور مذہبی تعصب میں نادر شاہ۔ محمود شاہ۔ سکندر بت شکن اور اورنگ زیب کو بھی مات کر ڈالا۔ اس کے شور وشر سے تمام خلقت کانپ اوٹھی۔ تمام علاقہ میں سخت ہل چل اور خونریزی کا بازار گرم ہوا۔ اور ہر ایک کوچہ و بازار اور شہر ودہ میں کشت وخون جاری کر دیا۔ خصوصاً کوٹلی کے علاقہ میں سخت دہاڑے مارنے لگا ✣

شمسا نے تمام قلعون کو تو فتح کر لیا تھا۔ لیکن پونچھ کا قلعہ اُس سے سر نہو سکا جسکا باعث یہ تھا۔ کہ اس قلعہ کا افسر ایک نہایت سوربیر (بہادر) مستقل مزاج اور مرنے اور مارنے والا شخص تھا۔ اس بہادر راجپوت کا نام میان بشنا تھا ✣

آخر کار بکرے کی مان کب تک خیر مناتی۔ دیوان دلباغ رائے اور میان بشنا اپنی جانب سے راجہ دہیان اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس شمسا بدذات کی بدحرکتون۔ شرارتون اور بدمعاشون کی رپورٹین متواتر اور لگاتار بھیجتے رہے تھے۔ جن میں مفصل حالات درج تھے۔ ان حالات کو سنکر

بالاحکام کی عقل چکرائی اور سخت حیرت ہوئی ڈوگرہ قوم میں بیطرح جوش پھیلا اب دیر ہی کیا تھی۔ میاں اودہم سنگھ اوس کی سرکوبی کے لئے ایک مہم تیار کرنے کے لئے کوٹلی میں بھیجے گئے۔ چند یوم کے بعد میاں لابھ سنگھ اور میاں نور آور سنگھ کہلوریہ بھی اُس کے پاس پہونچے۔ اور عرصہ قلیل میں فوج میں نئی بھرتی ہو کر شمسا کے برخلاف اس مہم نے چڑھائی شروع کردی بقول کرنیل رنگ خان صاحب جن کے بزرگ ان جنگوں میں شامل تھے۔ جنگوں کی ابتدا سرسادہ واقعہ چھمبہ پہاڑی متصل ہرجب ہکی باندے کے ہوئی۔ اور شمس نے یہاں میاں بشنا کو تین متواتر شکستیں دیں۔ اس کے بعد کوٹلی سے مہم پہونچی +

اور شمسا کو یقین ہو گیا۔ کہ اُس کے بُرے دن آئے۔ اور اب عنقریب اوسکا خاتمہ ہونیوالا ہے۔ تاہم مرتا کیا نہیں کرتا۔ اُس نے ایک دزد دلیر کی طرح چالبازیاں کر کے گیدڑ بھبکیاں دینی شروع کیں۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کو ایک عرضی کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا۔ کہ جو مہم آرہی ہے۔ اُسکو واپسی کا حکم دیا جائے۔ اور یقین رکھا جائے۔ کہ اگر فوج مذکور واپس ہو جائیگی۔ تو اُسکو کسی قسم کا نقصان نہیں پہونچایا جائیگا۔ بصورت دیگر کسی تنگ راستہ میں روک کر تباہ کیجائیگی۔ شمسا نے یہ دہمکی آمیز رعایت تو اچھی کی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ اُس کی اس رعایت سے کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ یا یوں کہا جائے۔ تو بہتر ہے۔ کہ شمسا مذکور کی اس گیدڑ دہمکی کا مہاراجہ صاحب کی طبیعت پر کچھ بھی اثر نہ پڑا۔ مہم مذکور نے سرعت کے ساعت کوچ اور مقام کرتے ہوئے دریائے جہلم کو سوائے کسی قسم کی مزاحمت کے عبور کر لیا۔ اور تمام علاقہ میں سے گشت کرتے ہوئے ادہر اودہر قلعہ منگ میں داخل ہوئی۔ بلکہ مہم مذکور کے قلعہ منگ میں داخل ہونے پر مہاراجہ صاحب بھی بذات خاص تشریف لا کر داخل مہم ہوئے

اور مفسدہ پرداز باغیون کی گرفتاری کے لئے کمال مستعدی سے کوشش کرنے لگے ✣

اکثر اشخاص دہمکائے گئے۔ بعضون کو انعام دیا گیا۔ کہیں روپیہ خرچ کیا گیا۔ بعضون کو مختلف اُمیدین دلائی گئیں۔ لیکن فایدہ کچھہ بھی نہوا۔ کیونکہ شمسا معہ دیگر باغیون کے کہیں ایسا جا چھپا کہ پتہ لگانا مشکل ہو گیا ✣

آخر کار سب سے پہلے سبز علی اور ملی سودہن گرفتار ہوئے۔ یہ دونون اجل رسیدہ شمسا کے یار غار اور اس بغاوت کے مشیر اعظم تھے ✣

جیسی سخت ان دونون نے ملک میں خرابی پیدا کی تھی۔ ویسی ہی سخت ان کو سزا بھی ملی۔ دونون کا چمڑا اوتارا گیا۔ اور اُن کے چمڑے بہوسہ سے پُر کر کے درختون سے لٹکائے گئے۔ تاکہ اورونکو عبرت ہو ✣

جس وقت ملی کا چمڑا اترتے اُترتے گلے تک اُتر گیا۔ تو اُس نے التجا کی۔ کہ اُس کی عورت اور بچے طلب ہو کر اُس کو اُن کی اخیر ملاقات کرائی جائے۔ لیکن ایسے اشخاص سے جنکی بدولت بیشمار بیقصور زن و بچون نے اخیر ملاقات موت کے فرشتہ سے کی تھی رحم کون کرتا۔ جب ملی کی یہ درخواست نامنظور ہوئی۔ تب اُس نے دوسری خواہش یہ ظاہر کی۔ کہ اُس کے زن و بچون کی جان بخشی کی جائے اور اونکو پناہ دیجائے۔ اُس کی یہ التجا قبول ہوئی ✣

جب شمس الدین سودہن کا کوئی پتہ نہ چلا۔ تو اخیر تدبیر یہ عمل میں آئی۔ کہ کل فوج دو حصون میں منقسم ہوئی۔ ایک حصہ کو لیکر خود مہاراجہ صاحب اور میان اودہم سنگہ صاحب تحصیل باغ میں مصروف تلاش ہوئے۔ دوسرے حصہ نے زیر کمان میان زورآور سنگہ کلہوریہ اور میان لابہ سنگہ کل پسماندہ علاقہ چھان مارا۔ اور واپس آنے پر میان زورآور سنگہ نے یہ رپورٹ کی کہ شمس الدین کو راجہ شیر باز خان پدر راجہ شیر انداز خان والئے سدہنوتیہ نے پناہ دے رکھی ہے ✣

اس خبر کے موصول ہونے پر مہاراجہ گلاب سنگہ نے ایک حکم راجہ شیر باز خان کے

پاس تحریری طور پر بدین مضمون بھیجا۔ کہ شمس الدین سودھن کو گرفتار کر کے فوراً بھیجدو۔ ورنہ تم پر لشکر کشی کیجائیگی ✣

اس حکم کے پہونچنے کی ہی دیر تھی۔ کہ اُس راجہ کا پیشاب خطا ہوا۔ اور ڈرتے ڈرتے یہ درخواست کی۔ کہ حکم کی تعمیل بسر و چشم کیجائیگی۔ لیکن ایک فوج کا دستہ میری امداد کے لئے بھیجا جائے ✣

مہاراجہ گلاب سنگھ نے اُس کی درخواست منظور کی۔ اور کسیقدر فوج اُس کے پاس بھیجدی۔ جس کی امداد سے راجہ شیر باز خان نے آخرکار شمس الدین سودھن کو معہ اُس کے بھتیجے راجولی کے ایک دن گرفتار کیا۔ اور دونوں مجرمان بدضمیر کے سر کاٹ کر مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس بھیجکر اُس کے عتاب سے خلاصی پائی۔ شمس الدین کے اس طرح مارے جانے کے بعد ملک میں امن ہوگیا۔ اور تمام شرارتوں کا خاتمہ ہوا ✣

میان ڈیڈو کی لوٹ مار اور اُس کا مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ سے انجام کار۔

میان ڈیڈو ایک بڑے بہادر راجپوت کا نام تھا۔ جس کو زمانہ حال کے زن و بچے بھی علاقہ جموں میں جانتے ہیں۔ یہ جموں کے گرد و نواح میں موضع جگتی میں رہتا تھا۔ سمبت ۱۸۶۷ مطابق سنہ ۱۸۱۰ع تک اس شخص سے کسی قسم کی خودسری ظاہر نہ ہوئی۔ مگر تھوڑے دنوں کے بعد ہی اُس کے بگڑنے کا یہ باعث ہوا۔ کہ سنہ ۱۸۱۱ع مطابق سمبت ۱۸۶۸ میں ترکٹا دیوی کے پہاڑ سے اُس نے ایک باز پکڑا۔ اور حکم یہ تھا۔ کہ جو شخص باز پکڑے وہ اُس باز کو جموں میں لاکر پیش کرے ✣

جیت سنگھ جو جموں کا اخیر راجہ تھا۔ اُس کے فوت ہو جانیکے بعد جموں میں سمبت ۱۸۶۶ مطابق سنہ ۱۸۰۹ع سے سکھوں کا تسلط ہوگیا تھا۔ اور جسوقت

یہ باز پکڑا گیا تھا۔ اُس وقت مہاراجہ رنجیت سنگھ کی جانب سے جمون میں جمعدار خوشحال سنگھ کے کاردار حکومت کرتے تھے +

میان ڈیڈو کے پاس جمون سے بارہا بدین حکم طلبی آئی کہ جو باز تم نے پکڑا ہے اُس کو پیش کرو۔ لیکن اس باز میں خدا معلوم ایسا کونسا سرخاب کا پر لگا ہوا تھا۔ کہ میان ڈیڈو نے ان طلبیون کے مطلق پرواہ نہ کی +

جب جمون کے سکھ سردارون نے دیکھا۔ کہ ڈیڈو اُن کے احکامون کی کوئی پرواہ نہیں کرتا ہے۔ لاچار وہ بھی سکھاشاہی پر اُتر آئے یعنی ایکدن ۱۳ جوانون کی گارڈ اسکو معہ اُسکے باز کے گرفتار کرلانیکے واسطے روانہ کی گئی +

گارڈ مذکور جب ڈیڈو کے گھر پہونچی۔ ڈیڈو اُس وقت گھر میں تھا۔ اور سوائے کسی قسم کا اندیشہ کرنے کے گارڈ والون کے پاس برابر چلا آیا۔ جس پر گارڈ والون نے اُس کو حکم دیا۔ کہ خیریت منظور ہے۔ تو جو باز پکڑا ہے۔ اُس کو چلکر جمون میں پیش کرو۔ ڈیڈو نے پہلے تو اُن کے حکم کی تعمیل کرنے سے انکار کیا لیکن پیچھے سے کچھ سوچ ساچ کر اون کے ساتھ چل پڑنے پر رضامند ہوا +

اب میان ڈیڈو مہمانوازی کرنے لگے۔ آٹا۔ چاول۔ دال وغیرہ نذر کیے اور بہت عاجزی سے عرض کی۔ کہ رسد موجود ہے۔ کھانا پکا کر نوش کیجیے جب تک آپ لوگ کھانا کھا کر فارغ ہونگے۔ مین بھی سفر کی تیاری خاطر خواہ کرلونگا۔ سکھ لوگ اُس کی مہمانوازی سے خوش ہوئے۔ اور ہتھیار اوتار کر کھانا پکانے مین مصروف ہوئے +

ڈیڈو نے اس وقفہ میں اپنی عورت اور باز کو جنگل کے طرف روانہ کردیا۔ اور اسطرح سے فارغ ہو کر جسوقت اچھا موقع دیکھا۔ تلوار سونت کر سکھون پہ جا پڑا۔ اور اُنکو وہ دال چاول کھلائے۔ کہ ۱۲۔ سکھ تو کھیت رہے اور تیرہوان سکھ جان بچا کر بجائے میان ڈیڈو اور باز کے یہ بدخبر لیکر جمون پہونچا +

اس واردات کے بعد میان ڈیڈو جنگل میں اپنی عورت کی پاس چلا گیا او

بدوش ہو کر جنگل بہ جنگل پھرنے لگا۔ بلکہ اُس نے ڈاکو بن کر لوٹ مار کرنی شروع کر دی۔ لیکن میان ڈیڈو وطنی لوگونکو کوئی تکلیف نہیں پہنچاتا تھا۔ البتہ سکھون کو اپنے ملک کا غاصب سمجھتا تھا۔ اسی خیال سے وہ اُنکا جانی دشمن تھا۔ اور اُن کو ہر ایک قسم کا نقصان پہونچاتا تھا۔ عجب نہیں ہے کہ اوسنے باز کے نہ دینے کا بہانہ کر کے سکھون کے برخلاف سرکشی بھی اسی خیال سے کی ہو۔ کہ ملک کو غاصبون سے خلاصی حاصل ہو +

گارڈ مذکورہ بالا کے مارے جانے کے بعد سکھ لوگ اُس کے برخلاف مسلسل طور پر اپنی فوج کے دستے بھیجتے رہے۔ لیکن میان ڈیڈو کسی سکھ کے قابو نہ آیا بلکہ جو شخص فرداً یا جماعتاً اُس کے دنبال آیا۔ اوس کی شمشیر خونخوار کا شکار ہوا + میان ڈیڈو موقع تاڑ کر ایسا حملہ کرتا تھا کہ جو اُس کے شکار کھیلنے کیواسطے آتا تھا۔ اُلٹا اُس کا شکار بن جاتا تھا۔ بلکہ جو کچھ اُس کے ساتھ ہوتا تھا۔ وہ مال و متاع بھی میان ڈیڈو کے قبضہ میں آجاتا تھا +

میان ڈیڈو کی ان بہادریون سے اُس کی ایسی شہرت ہوئی۔ کہ گرد و نواح کے ڈاکو بھی اس سے آملے۔ اس طرح سے وہ ڈاکوؤن کی ایک زبردست جماعت کا سردار بن گیا۔ اور تھوڑے دنون میں ہی اُس کی وہ دھاک بندھ گئی۔ کہ سکھون نے راستہ چلنا چھوڑ دیا۔ اور اب میان ڈیڈو ہیں۔ اور اُن کی ڈاکون کی جماعت جو روز روشن جمون پر حملہ کرنے لگ گئے۔ بارہا اُس نے جمون کو لوٹا اور آگ لگائی۔ ایک دفعہ وہ اپنی ٹولی کے ساتھ سرشام جمون میں آپہنچا۔ منڈی میں روٹی پکا کر خوب مزہ سے کھائی۔ اور رات کو آرام بھی وہیں کیا۔ لیکن جونہی دن چڑھا۔ لوٹ مار کرتا ہوا رفوچکر ہوا۔ اور دو ہزار سکھ جو کہ جمون میں حفاظت کے واسطے مقرر تھے۔ سب کے سب دُم دبا کر ایسے بھاگ گئے۔ کہ جس کے جہان سینگ سمائے وہان چھپ رہے +

جہان ڈیڈو مناسب سمجھتا۔ تن تنہا جاتا۔ اور سکھون کو قتل کراتا۔ جہان

ضرورت پڑتی ایک جماعت کثیر کے ساتھ جانا - اور لوٹ مچانا - لیکن اپنے کسی وطنی کو بالکل کچھ بھی نہیں کہتا تھا - بلکہ ملکیا لوگ اُس پر یہانتک مہربان تھے - کہ جہان اُس کو رات پڑ جاتی - وہ اُسکو کھانا بھی کھلاتے تھے - اور پناہ بھی دیتے تھے +

مختصر یہ ہے - کہ میان ڈیڈو کے ان کارنامون سے سکھون کی حکومت سخت کمزور ہو گئی - نہ کوئی سکھ بیرونجات میں ڈر کے مارے معاملہ وصول کرنے جاتا تھا - نہ ملک میں سے معاملہ وصول ہوتا تھا - بلکہ خاص جمون کی یہ حالت تھی - کہ رات کیوقت کوئی سکھ باہر نہیں نکلتا تھا - سنہ ۱۸۱۲ء مطابق سمبت ۱۸۶۹ میں ایکدفعہ سکھون نے اُس کے ساتھ معافی کا وعدہ کیا - جس پر اُس نے اطاعت قبول کی - لیکن کچھ دنون کے بعد اُس کو پھر کچھ شک ہوا - جس پر اُس نے پاخانہ جانیکا بہانہ کیا - اور دو پہرہ والون کے ساتھ جنگل میں داخل ہوا - جہان اُس نے اپنا لوٹا ایک پہرہ والے کے سر پر اس زور سے دے مارا - کہ وہ بیچارہ تو وہان ہی گر پڑا - اور دوسرا پہرہ والا اپنے ساتھی کی یہ گت دیکھکر ڈیڈو کا پہرہ چھوڑ کر اپنی جان کا پہرہ دینے کے لئیے بھاگ نکلا - جس کے بعد میان ڈیڈو پھر باغی ہو کر فرار ہو گیا - ان متواتر حملون میں میان ڈیڈو نے کم سے کم تین سو سکھ لوگ خاص اپنے ہاتھ سے مارے - اور جو خونریزی اُس کے ساتھیون نے کی - وہ اس سے علاوہ تھی +

اُس نے صرف سکھون کی حکومت کو ہی کمزور نہیں کیا - بلکہ کشمیر سے لاہور تک جو ڈاک کا سلسلہ جاری تھا - اُس کو بھی قطع کر دیا - ایک دفعہ اُس نے کشمیری مزدورون سے وہ میوون کی ڈالیان چھین لین - جو کشمیر سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے واسطے لاہور کو جا رہی تھیں - میان ڈیڈو نے ڈالیون میں سے سیب نکالکر اُن میں گندگی بھر دی - اور مزدورون کو حکم دیا - کہ یہ ڈالیان اسیطرح جا کر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے آگے رکھدو +

میان ڈیڈو جسطرح سکھون کو جمون میں چنے چبا رہا تھا - اُس کی ایسی کرتوت

کی متواتر جنبون سے لاہور میں سخت پریشانی ظاہر ہوئی۔ جسطرح وہان بڑے بڑے مہمون کی انجام دہی کے واسطے بڑے بڑے مشورے ہوتے تھے۔ لاہور کے دربار میں اُسی طرح ڈیڈو کا گرفتار کرنا بھی ایک بڑی بھاری مہم قرار پائی +

ایسا کوئی دن نہ تھا۔ کہ جس روز مہاراجہ رنجیت سنگھ اپنے اراکین سلطنت کے ساتھ اس کے متعلق خاص مشورہ نہ کرتا تھا۔ مگر مشکل یہ تھی۔ کہ مطلب براری کبھی مشورے سے نہیں ہوتی تھی۔ نہ ڈیڈو کسی دہمکی کی پرواہ کرتا تھا نہ کسی وعدہ پر بھروسا کرتا تھا۔ بلکہ اُس کو خالصہ حکومت کے قول و فعل پر کوئی اعتبار ہی نہیں تھا۔ اس واسطے لاہور دربار تدبیرین کرتا کرتا عاجز آگیا۔ اور جسقدر ڈیڈو کی طاقت بڑھتی جاتی تھی۔ اوسیقدر دربار لاہور کی مشکلات اور تشویش میں بھی زیادتی ہوتی جاتی تھی +

خصوصاً جب سبب والے مزدورون نے لاہور مین ہوکر گندگی کی ڈالیان پیش کیں۔ اس وقوعہ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طبعیت پر ایک نہایت غمناک اور دل کے جلانیوالا صدمہ پہونچایا۔ ڈیڈو کی گستاخی سے دل کباب ہوگیا۔ دربار میں جسقدر سردار موجود تھے۔ اپنی نے بسی سے اُس حد تک شرمندہ ہوئے۔ کہ اپنے ہی پسینے میں غرق ہوگئے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی پیچتابی کی تو کوئی حد و غایت ہی نہ تھی۔ اسقدر آگ بگولا ہوا۔ کہ جمعدار خوشحال سنگھ کو نالایق قرار دیکر جمون کا علاقہ اُس سے چھین لیا۔ اور قسم کھائی کہ خود جاکر ڈیڈو کو جب تک گرفتار نہ کرونگا۔ تب تک لاہور میں واپس نہ آونگا۔ جسقدر سردار دربار میں موجود تھے۔ رنجیت سنگھ کا یہ عہد سنکر دم بخود رہگئے۔ کسی نے اُف تک نہ کی۔ مگر مہاراجہ گلاب سنگھ ہنسنے لگا۔ اُس کے بیموقعہ ہنسنے سے سردارون کو حیرت ہوئی۔ بلکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بھی حیران ہوکر اُس سے پوچھا۔ کہ اس بے تکی ہنسی کی کیا وجہ ہے +

مہاراجہ گلاب سنگھ نے جواب دیا۔ کہ اے مہاراجہ دھیراج میری ہنسنی بیموقعہ نہیں ہے۔ میری ایک کہانی سن لیجئے۔ پھر حضور کو میری اس ہنسنی کا مطلب خودبخود روشن ہو جاویگا۔ یہ کہکر اُس نے اس کہانی کا آغاز اسطرح کیا۔ کہ ایک جنگل میں ایک شیر رہتا تھا۔ اور اُس کا دستور یہ تھا۔ کہ شکار کھیلنے کے بعد واپس آکر اپنے گپھا میں جاکر سو رہتا تھا اتفاق سے شیر کی اُس گپھا میں ایک چوہے نے بھی رہایش کی۔ ایک دن جبکہ شیر سو رہا تھا۔ اُس چوہے نے اپنی سوراخ میں سے چپکے سے نکلکر شیر کی مونچھیں کتر ڈالیں۔ جب شیر بیدار ہوا۔ اور اپنی مونچھوں کو چپٹ پایا۔ سخت گھبرایا اور گرجتا ہوا باہر نکلا۔ بلکہ غصہ کے مارے اس زور و شور سے گرجا کہ جنگل میں جسقدر چرند و پرند تھے۔ مارے خوف کے سب کے پیشاب خطا ہوگئے کسی جانور کو یہ حوصلہ نہوا۔ کہ اُس کے نزدیک جاکر اس سے دریافت کرتا۔ کہ اے جنگل کے راجہ! کہ اس بیطرح گرجنے کا باعث کیا ہے۔ ان جانوروں میں ایک بلّی بہت دلیر تھی۔ سب جانوروں نے اُس کی خوشامد کی۔ جوں توں ہو سکے تو شیر کے پاس جاکر اُس کا غصہ فرو کرے۔ چنانچہ اُس نے سب کا کہنا مانا۔ اور شیر کے پاس بیدھڑک چلی گئی۔ اور ادب سے جھککر عرض کی۔ کہ اے جنگل کے بادشاہ! قربان جاؤں۔ ایسا کیا صدمہ حضور کے دشمنوں کو پیش آیا کہ عادت کے برخلاف اس طرح سے گرج رہے ہو +

شیر کو بلّی کی یہ ہمدردی بہت پسند آئی۔ اُس نے گرجنا بند کیا۔ اور مہربان ہوکر بلّی سے بولا۔ کہ اے بلّی دیکھ کسی گستاخ چوہے نے میری مونچھیں کتر ڈالی ہیں۔ میں اس بدذات جانور کو سخت سزا دینی چاہتا ہوں۔ اس لئے تو جنگل میں جا۔ اور تمام جانوروں کو میری زبانی حکم دے۔ کہ وہ سب اکٹھے ہوکر میرے پاس آویں۔ تاکہ اس ظالم چوہے پر لشکر کشی کرکے اُس کو مار ڈالیں +

بلّی نے پھر ادب سے سر جھکایا۔ اور کہا کہ میں حضور کا حکم سمجھ گئی۔ اور مجھکو اُس کی

تعمیل میں کوئی عذر نہیں۔ لیکن چوہا کوئی ایسا بڑا طاقت والا جانور نہیں ہے کہ اُس کے مارنے کیواسطے تمام جانور جمع کئے جائیں۔ وہ میرا شکار ہے اور حضور کے اقبال سے میں اکیلی اُس کا کام تمام کر سکتی ہون۔ صرف اجازت کی دیر ہے۔ میں تن تنہا جا کر اُس کو مار سکتی ہون۔ شیر بلّی کی اس معقول اور مودب تقریر سے بہت خوش ہوا۔ اور بعد غور کامل کے جوابدیا۔ کہ ہان بلّی تیرا کہنا بہت درست ہے۔ تمام جانورون کو جمع کرنیکی کوئی ضرورت نہیں ہے میں تجھکو اجازت دیتا ہون۔ کہ تو اکیلی ہی جا کر اس موش بدہوش کو اپنا ایک نوالا تر بنا۔ اس قدر قصہ سُنانے کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ نے غضبناک مہاراجہ رنجیت سنگھ سے عرض کی۔ کہ ای سچے بادشاہ کیا ہم لوگ مر گئے ہیں۔ کہ حضور والا خود بہ ذات ڈیڈو پر چڑھائی کرنا چاہتے ہیں۔ اُس کا مارنا کیا مشکل ہے۔ کہ ایسا اندیشہ اور اضطراب پیدا ہو رہا ہے۔ ڈیڈو کی حیثیت میرے پاس ایسی ہی ہے جیسی اُس بلّی کے پاس اُس چوہے کی تھی۔ ایک ڈاکو کے مارنے کیواسطے خود بذات تشریف لیجانا حضور کی شان کے برخلاف ہے۔ اگر حکم ہو۔ تو میں تن تنہا جا کر اُس کا قلع قمع کر آون۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو اس راجپوت سردار کی تقریر سنکر بہت خوشی حاصل ہوئی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کا مطلب سمجھ گیا۔ اور جمون کا علاقہ اُس کو اجارہ پر دیکر اُس کو اختیار دیا۔ کہ جس طرح مناسب خیال کیا جاوے۔ میان ڈیڈو کو اُس کی بد حرکتون کا مزہ چکھاوے۔ بس پھر کیا تھا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ اپنے ملک کے اجارہ دار بن کر کامل اختیارات کیساتھ جمون کو لوٹے۔ اور لوٹتے ہوئے اپنے ساتھ ڈیڈو کے دو رشتہ دارونکو بھی رہا کرا کر لے آئے۔ جو وہان مدّت سے قید چلے آتے تھے +

یہ فوج جمون میں تھی۔ اُس کے علاوہ اور بھی کچھ فوج مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس اوس کی مدد کیلئے بھیجی گئی۔ مگر مہاراجہ گلاب سنگھ نے سردست فوج سے کوئی کام نہ لیا +

پہلا انتظام اُس نے یہ کیا۔ کہ جسقدر ڈیڈو کے یار دوست اور رشتہ دار تھے ان سب کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور اُن کے ملانے میں بہت روپیہ خرچ کیا۔ اس ترکیب سے مہاراجہ گلاب سنگھ کو بخوبی معلوم ہو گیا۔ کہ ڈیڈو کو کون کون شخص پناہ دیتا ہے۔ اور اُس کے مددگار کہان کہان رہتے ہیں۔ بلکہ اب ڈیڈو کی آیندہ حرکات کی اطلاع بھی مہاراجہ موصوف کو قبل از وقت ملنے لگی۔ اور یہان تک انتظام ہو گیا۔ کہ سب سے پہلے مہاراجہ صاحب مذکور نے ان لوگون کو سزا دینی شروع کی۔ جو ڈیڈو کو کسی قسم کی امداد یا پناہ دیتے تھے۔ اس تدبیر کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ ڈیڈو کو لوگون نے مدد اور پناہ دینی ترک کر دی۔ بلکہ بہت سے ڈاکو بھی اس سے جدا ہو کر وہ تن تنہا رہ گیا۔ اب اُس کا پیچھا ہونا شروع ہوا۔ جسطرف وہ جاتا۔ فوجون کے دستے اُسکا پیچھا کرتے تھے۔ سب سے زیادہ پناہ اُس کو پرگنہ پہلوالٹہ میں ملا کرتی تھی۔ وہ خود بھی اُسی پرگنہ میں چھپ جایا کرتا تھا۔ اور اُس کے بال بچے بھی یہان ہی پوشیدہ رہا کرتے تھے۔ مگر اب تو اُس کا یہان بھی تعاقب ہونے لگا۔ اس واسطے وہ اس جگہ سے بھی بھاگا اور معہ عیال و اطفال کے ترکٹا دیوی کے پہاڑ پر جا چھپا۔ لیکن مہاراجہ گلاب سنگھ سے یہ خبر بھی پوشیدہ نہ رہی۔ اس پہاڑ پر چڑھنے کے صرف تین راستے ہیں۔ مہاراجہ کی فوج نے تینون راستون سے کوچ کر کے اس پہاڑ کا بھی گھیرا ڈال لیا ✤

اب میان ڈیڈو کے چھکے چھوٹے۔ وہ سمجھ گیا۔ کہ اب اس کا اخیر زمانہ آنے والا ہے اس لئے اپنے بال بچون کو مندر کے پوجاری کے حوالہ کر کے خود سچے راجپوتون کی طرح گھیرا ڈالنے والی فوج کے آگے چلے آیا۔ اور ایک بڑے چٹان پر بیٹھ گیا۔ تلوار اپنے آگے رکھ لی۔ خود کمال فراغت کے ساتھ حقہ پینے میں مصروف ہو گیا۔ اور اپنے دشمنون کا جو دور سے نظر آ رہے تھے۔ تماشہ دیکھتا رہا ✤

مہاراجہ گلاب سنگھ نے حکم دے رکھا تھا۔ کہ ڈیڈو مارا نہ جاوے۔ اور گو فوجی آدمیوں کو اب ڈیڈو حقہ پیتے ہوئے نظر آرہا تھا۔ لیکن اُس کی وحشت اسقدر تھی۔ کہ کوئی شخص اسکے قریب آنیکی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ آخر کار جنگی آدمیون کی ایک ٹولی آگے بڑھی۔ اور اُس کے بہت قریب آگئی۔ جسپر میاں ڈیڈو للکار کر بولا۔ کہ اے کمبختو دور بھاگو۔ ورنہ ایک ایک کو چُن چُن کر ملک عدم میں دے مارونگا۔ اُسکا یہ کہنا ہی تھا۔ کہ سب کے اوسان خطا ہوئے اور کوئی آگے نہ بڑھا۔ آخر کار ایک سکھ نے حوصلہ کیا۔ اور ڈیڈو کے پاس چلا آیا۔ اُس کا نام عطر سنگھ تھا۔ عطر سنگھ نے ڈیڈو پر تلوار کا ایک وار کیا۔ لیکن وہ وار خطا ہوا۔ اور ڈیڈو کو سوائے ایک ہلکے سے زخم کے اور کوئی نقصان نہ پہونچا۔ بس پھر کیا تھا۔ جواہر سنگھ کی موت نے اُس کو آگھیرا۔ میاں ڈیڈو نے تلوار کا ایک ہاتھ ایسا صاف کیا۔ کہ سر سے لیکر تونی (ناف) تک جواہر سنگھ دو حصوں میں کٹ کر اور مردہ ہو کر ڈیڈو کے پاؤں کے نیچے گر پڑا۔ اور سپاہیوں نے اپنے اس اجل رسیدہ ساتھی کا جب یہ حال دیکھا۔ ایسا ڈرے۔ کہ اُس کو زندہ گرفتار کرنیکا خیال چھوڑ کر بندوق کا نشانہ بنایا۔ جس کے بعد اُس کا سر کاٹ کر لاہور میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس پہونچایا گیا۔ اور اس بہادر میاں کا جو دراصل اپنے ملک اور قوم کا خیر اندیش تھا۔ اس طرح سے خاتمہ ہوا

ریاسی کی فتح

ریاسی کا مالک دراصل میاں دیوان سنگھ تھا۔ مگر اُس کی نسبت مہاراجہ رنجیت سنگھ کو شک ہوا۔ کہ میاں موٹا کی قتل میں وہ بھی شامل تھا۔ اسواسطے یا یوں کہو کہ مہاراجہ موصوف نے ریاسی کو اس بہانہ سے چھین لینے کے خیال سے دیوان سنگھ کو لاہور میں طلب کر کے قید کیا۔ اور اُسکا

ملک بھی ضبط کرلیا۔ یہ سمونت ۱۸۷۴ کی بات ہے۔ اس وقت مہاراجہ گلاب سنگھ چھچھی پر آئے ہوئے تھے۔ دفعتاً اُن کے پاس مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ایک پرائیوٹ خادم جسکا نام بھگوان سنگھ تھا۔ یہ تحریری حکم لیکر پہونچا۔ کہ ریاسی پر قبضہ کر کے اُس کو اپنی جاگیر میں شامل کر لو +

مہاراجہ گلاب سنگھ جن کو ملک گیری کا بہت شوق تھا۔ اس حکم سے بہت خوش ہوئے۔ جب فوج ظفر موج ریاسی کی حدود میں پہونچی۔ عام لوگون نے بہ اظہار اطاعت نذرانے پیش کئے۔ اور امان حاصل کی۔ مگر خسالی کے کچھ لوگ جن کو کچھ تو ایک غیر مستحق اجنبی شخص کی جانب سے حملہ کرنا بہت بُرا معلوم ہوا۔ اور کچھ اس وجہ سے کہ دیوان سنگھ مذکور کے بیٹے میان بھوپ دیو نے اُن کو بھڑکا رکھا تھا۔ مقابلہ کرنے پر تیار ہوئے۔ اُنکی دیکھا دیکھی اُن کے ساتھ ارناس کے لوگ بھی شامل ہو گئے +

مہاراجہ گلاب سنگھ کو اس خبر سے غم پیدا ہونے کی جگہہ برعکس خوشی حاصل ہوئی۔ اور چیدہ گھوڑ چڑھون کا ایک دستہ اپنے ساتھ لیکر بلا کسی پس و پیش کے کوہستان خسالی کو روانہ ہو کر سوائے کسی کے مقابلہ کرنے کے سنداون میں پہونچا۔ جہان اُس نے ایک مہاتما آدمی کے جن کا نام بابا دھیدو تھا۔ درشن کئے۔ یہان سے مہاراجہ موصوف قلعہ بسلال کو روانہ ہوئے۔ جو تین طرف سے دریائے چناب سے گھیرا ہوا ہے۔ اور بوجہ دشوار گذاری کے خاص طور پر مشہور ہے +

دریا کے پار بھوپ دیو معہ اپنے پہاڑی جان نثار ملکیا لوگون کے نظر آرہا تھا۔ جس نے اُن کو حملہ آور کے مقابلہ کے لئے جنگی قواعد کے مطابق قطار در قطار آراستہ کر رکھا تھا +

یہان سے حملہ آور فوج دریا کو مشکون کے ذریعہ جو سرنائیان کہلاتی ہیں عبور کر کے پہاڑی لوگون پر جا پڑے۔ اور ایک چھوٹا سا جنگ ہوا جسمیں پہاڑی

لوگ زیادہ دیر تک مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ نکلے۔ اور فتحیاب حملہ آورون نے تعاقب کیا +

مغلوب شدہ خسون کا سرغنہ ایک شخص تھرن کوٹ کا باشندہ تھا جس کا نام سری پت ڈھنڈی تھا۔ شکست کھانے کے ساتھ اُس نے کمال ادب کے ساتھ فتحیاب مہاراجہ کے پاس حاضر ہو کر اپنی جانب سے اور لوگون کی جانب سے بھی بطور ظاہرداری کے نہایت عاجزی سے عرض کی۔ کہ اُن کا قصور معاف فرمایا جاوے۔ اور اُس کے ساتھیون کو اجازت بخشی جائے۔ کہ حاضر ہو کر اپنی اطاعت کا اظہار کرین +

مہاراجہ گلاب سنگھ کو گو یہ یقین نہیں تھا۔ کہ سری پت اور اُس کے ساتھی سچے دل سے اظہار اطاعت کرنا چاہتے ہیں۔ تاہم اُس نے اُس کی درخواست مصلحتاً منظور کی۔ اور خسون کو نجے دیو اگرنیکا موقعہ دینے کے بعد سوائے کسی قسم کی گوشمالی کرنے کے ان سب کو رخصت کیا +

لیکن تھرن کوٹ اول لوٹا گیا۔ اور بعد اُس کے اُس پر اپنا قبضہ قائم کیا گیا سری پت نے جو تھرن کوٹ کے لوٹے جانے سے پیشتر ہی اس موضع سے کنارہ کش ہو چکا تھا۔ موضع مذکور کے لوٹے جانے پر تین سو روپیہ بطور نذرانہ کے پیشکش کئے۔ لیکن انگی دفعہ اس نذرانہ کے ساتھ خود پیش نہیں ہوا بلکہ خوف کے مارے عمداً کنارہ کش رہا +

تھرن کوٹ کی لوٹی کے بعد ریاسی سر کی گئی۔ جہان برہمنون نے اظہار اطاعت میں نذرانہ پیش کیا۔ اور بوجہ اُنکی اطاعت کے ریاسی لوٹی سے محفوظ رہی + ریاسی کی فتح کے بعد بھوپ دیو کا تو کہین پتہ نہ لگا۔ لیکن مسمی بھیمہ جو ریاسی کا تھانہ دار تھا۔ وہ گرفتار ہو کر قید کیا گیا۔ اس کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ لاہور کو تشریف لیگئے۔ اور نو مفتوح علاقہ کا اہتمام دیوان امیر چند کے سپرد کر گئے جس نے حسب ہدایت مہاراجہ صاحب موصوف ایک چکلہ بنایا۔ اور جدید تھانہ کرا کر

اس کا نام بھیم گڈھ رکھا- ✣

اہل ریاسی کی بغاوت اور اُن کی سرکوبی

میان بھوپ دیو نے جب سلال میں مہاراجہ گلاب سنگھ سے شکست کھائی اُس کے بعد وہ لاہور چلا گیا- جہان اوس کی کوشش رسوخ اور سازش سے اوس کے باپ میان دیوان سنگھ کو قید سے رہائی حاصل ہوئی- جسکے چھوٹ جانے پر اُس نے ریاسی میں یہ غلط شہرت مشہور کرادی- کہ مہاراجہ گلاب سنگھ اور اُن کے دونون بھائیون پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کی خفگی آ گئی ہے- اور ریاسی کا علاقہ اُس کو اور اُس کے باپ کو واپس بخشا گیا ہے- بھوپ دیو نے صرف اس غلط افواہ کے مشتہر کرانے پر ہی اکتفا نہیں کی- بلکہ اوس کی تائید میں ایک جعلی پروانہ بھی تیار کیا- جسکو اُس نے مشہور کروایا- کہ اُس پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کی مہر صحیح پڑی ہوئی تھی ✣

یہ تمام منصوبہ ایسی ہوشیاری اور جانبازی سے تیار کیا گیا تھا- کہ سادہ لوح پہاڑی لوگ اُس کے دم جھانسے میں آ گئے- اور جو کچھ اُس نے ظاہر کیا- اُس کو سچ جانکر جوش میں آ گئے- اور یہ شورش یہان تک پھیلی کہ آخر کار باشندگان کمنتھی اور کھیر کنال نے جمع ہو کر قلعہ ریاسی کا محاصرہ کر لیا ✣

اس وقت دیوان امیر چند کے ماتحت صرف ٥٠ جوان تھے- اور عام لوگون سے مدد کی- کوئی امید نہ تھی- البتہ بھیما شاہ بھاٹیہ نے غلہ اور بارود کی خرید کے لئے روپیہ کی امداد بخوبی کی ✣

بہرحال امدادی فوج باہر سے جلد اور سرعت کے ساتھ آنے لگی- کچھ فوج رام گڈھ سے راجہ کشورا سنگھ نے بھیجدی- ستر مسلح جوان میان بدنا نے روانہ کئے- جو میان موٹا کے خاندان میں سے تھا- چناس لکھیانہ اور جندراہ کے جاگیرداروں میں سے میان حسنا- ڈلا- اور چھبیلا نے بھی

عین وقت پر اپنے اپنے آدمی بھیجدئے۔ پورو ورہوڑا معہ ۲۰ مسلح جوانون کے موضع گڈھ پرگنہ داہور سے شمولیت جنگ کیواسطے آپ ریاسی میں داخل ہوا۔ میان پربین سنگھ منال بھی اس بغاوت کے فرو کرنے کے واسطے بذات خاص پہونچا ✣

اس سب متفقہ فوج کی تعداد پانچسو آدمی تک ہوگئی۔ اور ریاسی میں داخل ہو کر منتظر اس بات کی رہی۔ کہ دیوان امیرچند حکم دیوے۔ تو محاصرہ کرنے والون کی خبر لیجاوے ✣

مگر پہاڑی باغیون نے جب دیکھا۔ کہ غنیم کی فوج تعداد میں بہت زیادہ ہے۔ تو محاصرہ اٹھا کر آہستہ آہستہ رفوچکر ہونے لگے۔ لیکن دوسرے دن آخر کار کسیقدر مٹھ بھیڑ ہو ہی گئی ✣

میان جواہر سنگھ معہ کسیقدر ساتھیون کے ایک پہاڑ کے دامن سے گذر رہا تھا۔ کہ باغیون کا ایک گروہ ان پر تلوارین سونت کر آپڑا۔ اور دست بدستی شمشیر بازی ہونے لگی۔ جس میں جواہر سنگھ اور اُس کے ساتھیون کے پیر اوکھڑنے لگے۔ مگر اُن کی خوش نصیبی سے ایک جوانمرد نے آکر اُن کا حوصلہ بڑھایا۔ اور شریک جنگ ہو کر وہ تلوار چلائی۔ کہ باغیون کے چھکے چھوٹ کر بھاگ نکلے۔ اس جوان مرد کا نام میان زور آور سنگھ کہلوریہ تھا ✣

زور آور سنگھ کلہوریہ لاہور سے ریاسی میں صرف بطور سیر کے آیا تھا۔ اور میان جواہر سنگھ کے جنگ کا تماشہ کہیں دور سے دیکھ رہا تھا۔ جب اُس نے دیکھا کہ جواہر سنگھ شکست کھانے کو تیار ہے۔ تو فورا آن کی مدد کو پہنچا۔ اور باغی پہاڑیون کو مار بھگایا۔ جس کے بعد پھر وہ دوبارہ مقابلہ کی جرات نہ کر سکے ✣

چند یوم کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ بذات خاص ریاسی میں داخل ہوئے۔ جہان دیوان امیرچند کی زبانی میان جواہر سنگھ اگادھیا اور میان زور آور سنگھ کلہوریہ کی خدمات اور بہادرانہ کارنامون کا حال سُنکر دونون کو ایک ایک طلائی کہنٹہ صلہ مین بخشا۔ اس کے بعد پورو ورہوڑا ریاسی کا تہانیدار مقرر ہوا ✣

دوسرے دن مہاراجہ صاحب سلال میں پہونچے یہاں ایک شخص جس کا نام سور نو تھا۔ نذر پیش کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ لیکن مہاراجہ صاحب نے اُس کی نذر قبول نہیں کی۔ جس پر وہ اجل رسیدہ جوش میں آکر بولا کہ مجھ پر اظہار خفگی کا کیوں کیا جاتا ہے اہل ریاسی نے میری تحریک سے بغاوت نہیں کی تھی۔ بلکہ اس بغاوت کے بانی دراصل حضور کے کاردار ہیں۔ جنہوں نے کہ بدعملی پھیلا رکھی تھی +

مہاراجہ گلاب سنگھ اپنا رعب وداب قایم کرنے کیواسطے جس کی کہ سخت ضرورت تھی۔ کسی نہ کسی کو سزا تو دینی چاہتا ہی تھا۔ سر نو کی دریدہ دہنی نے مہاراجہ گلاب سنگھ کو موقعہ دیا۔ کہ اپنا غصہ اُسی اجل رسیدہ پر نکالے۔ لہذا اُس کے حکم سے سر نو پھانسی لگایا گیا۔ اور اُس کی لاش ایک شیشم کے درخت کے ساتھ نظیراً لٹکائی گئی۔ اور ازاں بعد ریاسی والوں نے پھر کبھی بھی بغاوت نہیں کی +

کشٹوار کی فتح

کشٹوار کا خطہ قدیم الایام سے ملک کشمیر کا ایک جزوی علاقہ سمجھا جاتا ہے۔ مگر دلایل ایسی موجود ہیں جن سے پایا جاتا ہے۔ کہ اس ملک کی آبادی کشمیر سے پیشتر کی ہے۔ روایت ہے۔ کہ جبوقت کشمیر کی سرزمین ایک جھیل کی حالت میں بلند کوہستان کی چوٹیوں تک پانی اور برفوں سے پُر ہو کر ستی سر کے نام سے ملقب تھی اس وقت کشف جی کشٹوار میں بھی رہتے تھے۔ اور یہاں سے ہی کشمیر کیطرف بڑھکر اور کونثر ناگ کے پہاڑ پر بیٹھ کر جھیل مذکور کا پانی نکالنے کیواسطے اُنہوں نے تپسیا (ریاضت) کرنی شروع کی +

کشف جی کا گذر چونکہ پہلے کشٹوار میں ہوا۔ اس واسطے اُس سرزمین کا نام کشف وار یعنے کشف جی کے رہنے کی جگہ پڑا +

اب اس ملک کا نام جو بجائے کشف وار کے کشٹوار ہے۔ اسکی وجہ یہ ظاہر کیجاتی ہے۔ کہ کشف جی کا دور دورا جب ہو چکا تو پھر اس ملک میں کسی زمانہ

میں ایک تاجرون کی قوم آکر آباد ہوئی۔ یہ لوگ بہوٹان سے خوبانیان خرید کر لاتے تھے۔ بوجہ جس کے کشف وار میں ایک بڑی بھاری منڈی خوبانیون کی قایم ہوئی جن کی گوٹھلیون سے علاقہ کشف وار میں جنگلی خوبانیان افراط سے پیدا ہونے لگیں خوبانیون کو کشٹہ کہتے ہیں۔ اور بوجہ خاص پیداوار کشٹون کے کشف وار کا نام کشٹہ وار ہوگیا۔ یعنے کشٹون کی پیداوار کی جگھہ ✣

کشٹوار کی حدود اربعہ یہ ہیں۔ مشرق میں چمبہ مغرب میں کشمیر کا مشہور پہاڑ بانہال شمال میں کوہستان بہوٹان۔ اور جنوب میں جنتی جو پرگنہ بھلوالٹہ میں واقعہ ہے اور ایک ایسی دیرینہ چھوٹی سی ریاست ہے۔ کہ جس کا ابتدائی حال دریافت طلب ہے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب کشمیر سے زبردست ہندوون کی حکومت اُٹھگئی تو کشٹوار میں بکرماجیت کی نسل میں سے کسی نے آکر اپنی ریاست قایم کی جسکا مفصل حال جدا لکھا جایگا ✣

اس خاندان کا اخیر راجہ تیغ سنگھ ہوا ہے۔ جس نے اسلامی مذہب اختیار کرنے کے بعد ہندوون کو اپنا دشمن کیا۔ اور اس کوشش میں لگا۔ کہ اوسکا وزیر لکھپت رائے بھی مسلمان ہوجائے۔ تیغ سنگھ نے وزیر لکھپت رائے کو کئی طریقون سے سمجھایا۔ اور بہت ترغیبین اور دہمکیان دین۔ لیکن راجہ تیغ سنگھ کی ان حکمت عملیون کا اس کی طبیعت پر نہ کچھہ اثر پڑا۔ نہ وہ اپنے دہرم سے باز آیا۔ بلکہ راجہ تیغ سنگھ اُس کو مسلمان بنانیکواسطے جسقدر زیادہ کوشش کرتا تھا۔ وزیر لکھپت رائے کا عقیدہ اپنے دہرم پر اُسیقدر زیادہ پکا ہوتا جاتا تھا۔ بوجہ جس کے آخرکار ان دونون میں کہلم کہلی مخالفت پیدا ہوگئی ✣

مہاراجہ گلاب سنگھ جو اس بگڑی ہوئی ریاست کو ایک مدت سے ہڑپ کرلینا چاہتا تھا۔ اُس نے راجہ اور وزیر کی باہمی مخالفت کو اپنی خوش نصیبی سمجھکر اس جلتی آگ میں ایک ترکیب سے تیل ڈال کر اُس کے جہان سوز شعلون کو اور بھی بلند کردیا ✣

وہ ترکیب یہ تھی۔ کہ ایک روز موقعہ دیکھکر اُس نے وزیر لکھپت رائے کے نام ایک مراسلہ بدین مضمون لکھا۔ کہ آپکی عرضی وصول ہوئی۔ اور اوسکا مضمون پڑھکر کمال خوشی حاصل ہوئی۔ چاہیے کہ آئندہ بھی اسیطرح اپنے حالات سے آگاہی دیتے رہا کرو ✦

اس مراسلہ کو لکھکر مہاراجہ گلاب سنگھ نے ایک لفافہ میں بند کراکے دیدہ و دانستہ راجہ تیغ سنگھ کے پاس بھجوا دیا ✦

راجہ تیغ سنگھ کو یہ شک تو پہلے سے ہی تھا۔ کہ اُس کے اہلکار اُس کو قتل کر کے اوسکے بیٹے کو گدی پہ بٹھانا چاہتے ہیں۔ جب مہاراجہ گلاب سنگھ کے مراسلہ سے اسکو معلوم ہوا۔ کہ اُس کے وزیر نے مہاراجہ موصوف کے ساتھ خط و کتابت جاری کر رکھی ہے۔ (حالانکہ اس خط و کتابت کا کوئی وجود ہی نہ تھا) تو اُس کا شک بپایہ یقین پہونچا۔ اور بیچارے ناکردہ گناہ وزیر مذکور کے لہو کا پیاسا ہو کر اُس کے مروا ڈالنے کی فکر میں پڑا۔ حتے کہ ایک پٹھان اُس کی قتل پر مقرر ہوا۔ اور قرار یہ پایا کہ جسوقت وزیر مذکور حسب معمول خود دربار میں سلام کرنے آوے۔ اُسیوقت موقعہ دیکھکر سر دربار قتل کر ڈالا جاوے۔ چنانچہ اس پٹھان نے ایک دن ایسا ہی کیا۔ کہ سر دربار وزیر مذکور پر تلوار کا وار کیا۔ مگر وزیر مذکور کی خوش نصیبی سے وہ تلوار اُس کے بازو پر لگی۔ اور بجز ایک خفیف زخم کے اور کوئی نقصان نہ کر سکی ✦

راجہ تیغ سنگھ کو جسقدر وزیر لکھپت رائے سے نفرت تھی۔ اسیقدر بوجہ اُس کی ہر دلعزیزی کے اس سے ڈرتا بھی تھا۔ جب اُس نے دیکھا۔ کہ پٹھان کا وار خالی گیا۔ تو کچھ تو اس خیال سے کہ اُس کی سازش کا حال افشا نہو۔ اور کچھ اس وجہ سے کہ وزیر اور اُس کے یار دوست اور ہمدردوں کا غصہ فرو ہو کر زیادہ شورش نہو۔ باوازبلند یہ حکم دیا۔ کہ پٹھان مذکور جانا نہ پاوے۔ فوراً قتل کیا جاوے۔ اُس کے

منہ سے یہ حکم نکلنے کی ہی دیر تھی۔ کہ دس بارہ مسلّح آدمیون نے اوسکو چارون طرف سے گھیر کر ٹکرہ ٹکرہ کر ڈالا +

مگر اس اجل رسیدہ پٹھان کی قتل سے وزیر لکھپت رائے کو جسکا ہنوز یہ کچھہ آب و دانہ باقی تھا۔ اپنی آیندہ سلامتی کا اطمینان نہوا۔ جس وجہ سے وہان سے مفرور ہوکر اوس نے بھدرواہ کی سکونت اختیار کی۔ اور قسم کھائی کہ جب تک راجہ تیغ سنگھ کشتواڑ کا راجہ رہیگا۔ تب تک نہ وہ کشتواڑ مین قدم رکھیگا۔ اور نہ اس ملک میں ملازمت کریگا +

وزیر لکھپت رائے کے نکل جانے کے بعد کشتواڑ کا انتظام اور بھی بگڑ گیا۔ اور جب اُس ریاست کی بدبختی کا ستارہ پورے کمال پر پہونچا۔ تو مہاراجہ گلاب سنگھ نے بھی اُس کے الحاق کے لئے عملی تدابیر کرنی شروع کردین چنانچہ سب سے پہلے اُس نے خفیہ طور سے اپنی فوج کو چنینی کے گرد و نواح مین پہونچا یا۔ یہ ۱۸۷۷ بکرمی کی بات ہے۔ پھر خود دورہ کے بہانہ سے ایک دن اس فوج کے ساتھ جا ملا۔ اور وہان سے راجہ دیا چند والئے چنینی کو اپنے آنیکی اطلاع کرا کر اُس کو اپنے پاس آنیکا پیغام بھیجا۔ لیکن راجہ دیال چند ڈرا۔ کہ مبادا کچھ فریب ہو۔ جس پر مہاراجہ موصوف نے اُس کے پاس خاص اُس کے ہی ایک اہلکار وزیر جراسندہ کو بھیجکر اور اسکا شک رفع کرا کر اُس پر اپنے دل کا حال ظاہر کیا۔ کہ کشتواڑ کے متعلق کچھ مشورہ کرنا منظور ہے۔ جب راجہ دیال چند کا شک اسطرح رفع ہوا۔ تو وزیر جراسندہ کے ہمراہ ہو لیا۔ مہاراجہ موصوف نے اُس کے درجہ کے مطابق اُس کی پیشوائی کی اور ان دونو کی ملاقات کا یہ نتیجہ نکلا۔ کہ چنینی کی رعایا نے ڈوڈہ کے متصل حسب خواہش مہاراجہ موصوف کے دریائے چناب پر درختون کی شاخون کے رسّے بنا کر ایک پل بنا دیا۔ جس کے بن جانے پر مہاراجہ موصوف معہ اپنی فوج کے اس پل کے ذریعہ اس قسم کے رسون سے جو پل

بنائے جاتے ہیں - اُن کو کہیرا کہتے ہیں) دریا کو عبور کیا -
تیغ سنگھ کو اُس کی چڑھائی کی باموقعہ خبر ہو چکی تھی - اور گو وہ جانتا تھا - کہ اُس کا انتظام بگڑا ہوا ہے - اور وہ طاقتور حملہ آور کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتا ہے - تاہم اُس نے اپنی ٹوٹی پھوٹی فوج اور شکستہ دل رعایا کو اُس کے مقابلہ کیواسطے روانہ کیا - رام بن کے آگے دونوں فوجونکی مٹھ بھیڑ ہوئی - جس میں کشتواریوں کا سخت نقصان ہو کر اور شکست کھا کر بھاگ نکلے - اور فتحیاب ڈوگروں نے راجہ تیغ سنگھ پر قابو پا کر اُس کو ایک بہانہ سے روانہ لاہور کیا - جہاں اُس کو سکھوں نے زہر دیکر مار ڈالا -
مگر راجہ تیغ سنگھ کے اسطرح سے مغلوب ہو کر لاہور میں مارے جانے کی تصدیق سوائے گلاب نامہ کے اور کسی ذریعہ سے نہیں ہوئی - بلکہ اصلی کیفیت جس کی تصدیق وارثان وزیر لکھپت رائے سے بھی ہوتی ہے - یہ ہے - کہ جب ڈوگروں کی فوج ڈوڈہ میں پہونچی - تو راجہ تیغ سنگھ بھی معہ دس ہزار کشتواریوں کے ڈوڈہ میں آکر مہاراجہ گلاب سنگھ سے آملا - اور کوشش یہ کی کہ جنگ کی نوبت نہ آوے - جس پر مہاراجہ گلاب سنگھ نے اُس کو صاف الفاظ میں اطاعت قبول کرنے کا مشورہ دیا -
راجہ تیغ سنگھ کو مہاراجہ مذکور کی اسبات سے اسقدر غصہ آیا کہ وہاں سے فوراً برخاست کرکے بدیں خیال روانہ لاہور ہوا - کہ وہاں جاکر مہاراجہ رنجیت سنگھ سے براہ راست بات چیت کرکے ڈوگروں کی ماتحتی سے محفوظ رہے ورنہ بصورت دیگر کشتوار کا ملک بھی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حوالہ کردیا جاوے لاہور میں پہونچکر بدنصیب تیغ سنگھ کو راجہ دھیان سنگھ کے ساتھ واسطہ پڑ گیا - جس نے بلحاظ اپنے بھائی مہاراجہ گلاب سنگھ کے اُس کی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ ملاقات ہی نہ ہونے دی *
جب راجہ تیغ سنگھ کے نوکر چاکروں نے دیکھا - کہ نہ اُس کی مہاراجہ

رنجیت سنگھ تک ویسا ہی ہوئی۔ نہ اوس کی کوئی بات ہی پوچھتا ہے۔ تو اکثر لوگ اُس سے کنارہ کش ہو کر واپس کشتوار کو چلے آئے تھے۔ اور اسطرح سے اُس کے ہمراہی یہان تک بھاگ گئے۔ کہ آخر کار اُس کے پاس بہت تھوڑے نوکر چاکر رہ گئے۔ راجہ تیغ سنگھ بہ امید ملاقات اور بھی کچھ مدت تک لاہور مین ٹھہرا رہا۔ مگر جب اس کا سرمایہ بھی ختم ہو گیا۔ تو لاچار دینانگر کو روانہ ہوا اور یہان حالت مایوسی اور بے سروسامانی مین اپنے بازو کی رگون کو کٹوا کر خودکشی کرلی +

بہرحال جب کشتوار کا الحاق اسطرح بظاہر سکھون کی سلطنت کے ساتھ اور دراصل جمون کے ساتھ ہو گیا۔ تو اس کا پہلا کاردار میان چین سنگھ مقرر ہوا اب وزیر لکھپت رائے کی کیفیت سنئیے۔ جب کشتواڑ پر اسطرح مہاراجہ گلاب سنگھ کی حکومت قائم ہوئی۔ تو وزیر مذکور کو سوائے اس کے کہ اپنے آپ کو مہاراجہ موصوف کے رحم پر چھوڑ دے اور کوئی صورت نظر نہ آئی۔ ادھر مہاراجہ گلاب سنگھ جو کہ نمک حلال اور شریف اور خاندانی اشخاص کا قرار واقعی قدر دان تھا۔ وزیر لکھپت رائے کی نمک حلالی اعلی لیاقت اور خاندانی عظمت سے بھی بخوبی واقف تھا۔ بلکہ جسطرح سے اُسنے وزیر مذکور کو راجہ تیغ سنگھ سے ناحق بدظن کر دیا تھا۔ وہ حال بھی اُس کو بخوبی یاد تھا۔ بلحاظ ان حالات کے مہاراجہ موصوف نے وزیر مذکور کے ساتھ مہربانی سے پیش آ کر اُس کی جاگیر بدستور بحال رکھی اور علاوہ برین اُس کو اپنے اہلکارون میں شامل کیا۔ جس کے بعد وزیر مذکور کا بوجہ اُس کی لیاقت اور اعلی درجہ کی خوبیون کے مہاراجہ صاحب موصوف کے پاس اسقدر رسوخ ہوا۔ اور اعتبار بڑھا۔ کہ رفتہ رفتہ خاص اہلکارون و ارا کین ریاست میں شامل ہوا۔ اور بڑی بڑی خدمتین بھی انجام دین +

کشتواریون نے اسطرح ڈوگرون کے ماتحت ہو کر کئی دفعہ ہاتھ پیر مار کر اُن کی حکومت سے مخلصی پانیکی کوششین بھی کی تھیں۔ لیکن جب

مہاراجہ گلاب سنگھ سردار جواہر سنگھ کی وزارت کے زمانہ میں مغلوب ہو کر لاہور میں پہنچائے گئے ۔ کشتواریوں کی اُس وقت کی سرکشی نہایت خطرناک تھی۔ اس بغاوت کا سرغنہ دلاور خان تھا۔ جس کو دلاور سنگھ بھی کہتے تھے۔ یہ شخص راجہ تیغ سنگھ کی ایک آشنا عورت کے پیٹ سے پیدا ہونیکے باعث اپنے آپ کو کشتوار کی گدی کا وارث سمجھتا تھا۔ اور بکرم زمیندار اور ایک نمکحرام منشی کی تحریک اور امداد کے بھروسہ پر سرکش ہوا تھا۔ اس نمک حرام منشی کا نام یوسف خان تھا۔ ان دونوں مددگاروں کی امداد پہ گمراہ ہو کر دلاور خان کشتوار میں اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ بہت لوگ اس کے جھنڈے کے نیچے اس کی مدد کے لئے جمع بھی ہو گئے۔ اور ان بلوائیوں نے یہاں تک خطرناک صورت اختیار کی۔ کہ لالہ سرب دیال جو کشتوار کا کاردار تھا۔ اور متصدی بہڈیار خوف زدہ ہو کر ایسے گھبرائے۔ کہ مفرور ہو کر قلعہ ڈوڈہ میں پناہ گیر ہوئے۔ لیکن باغیوں کا حوصلہ یہاں تک بڑھا ہوا تھا۔ کہ انہوں نے قلعہ ڈوڈہ کا بھی محاصرہ کر لیا۔ اور یہ محاصرہ اُس وقت ٹوٹا جبکہ لکھپت رائے وزیر معہ اپنے فرزند وزیر زورآور سنگھ کے کسیقدر فوج لیکر رام بن میں پہونچے جہاں سے انہوں نے دریائے چناب کو اموالک زمیندار کی مدد سے عبور کر کے توپیں چلانی شروع کیں۔ جن کی آوازوں سے باغی لوگ خوف زدہ ہو کر مفرور ہو گئے۔ اور بعد اُس کے کشتواریوں نے پھر کبھی بغاوت نہیں کی۔ بلکہ اب وہ لوگ ڈوگرہ حکومت کی نہایت جان نثار اور فرمانبردار رعایا ہیں۔

قلعہ سومرتھہ کی فتح

قلعہ سومرتھہ مابین کوہستان بلور و رام نگر کے واقعہ ہے۔ اس قلعہ پر مہاراجہ گلاب سنگھ نے معہ اپنے دیگر نامی سرداروں اور بہادروں کے سمت ۱۸۹۱ ب مطابق سنہ ۱۸۳۴ء میں خود چڑھائی کی تھی۔ جو فوج اس قلعہ پر حملہ آور

ہوئی تھی۔ وہ چار کالمون میں تقسیم کی گئی تھی۔ ایک کالم کی کمان دیوان امیر چند کو معہ دلپتیہ اور میرپور یہ دو میان صاحبان کو ملی تھی۔ اسی کالم میں دو سو آہنی سپاہی اور مسلحہ زمیندار لوگ شامل تھے۔ ان لوگون نے مان سر سروہی سر سے ہوکر چڑھائی کی۔ اور جب بجاور میں پہونچے۔ تو ایک ہزار جنگی سپاہی اُن کے ساتھ اور بھی آ ملے۔ باقی تین کالم بھی تین راستون سے ہوکر چلے۔ اور جب یہ چارون کالم قلعہ سومرتھ کے متصل پہونچے۔ تو پہلے ہر ایک کالم نے اپنے اپنے محاظ میں مورچہ بندی کی۔ تاکہ دشمن کی بندوق یا گولی کوئی کاٹ نہ کرے ✢

محاصرہ دیوان امیر چند کے کالم نے شروع کیا۔ جس نے قلعہ کے پیچھے سے جنگ جاری کر دیا۔ آگے کیطرف سے خود مہاراجہ صاحب موصوف معہ کچھ فوج کے بڑھے۔ دایئں طرف سے میان ساول سنگھ اور سکادری سنگھ کے کالم نے حملہ شروع کیا۔ بایئں طرف سے میان لابھ سنگھ اور دیوان سنگھ کے کالم نے دھاوا بول دیا۔ اور ایک خونخوار جنگ شروع ہوا۔ قلعہ کے چارون طرف ایک گہری کھائی تھی۔ جس میں پانی بھی بہت عمیق تھا۔ زیادہ غضب یہ کہ قلعہ گیر فوج تاک تاک کر نشانے لگاتی تھی۔ اور حملہ اور فوج پر انہون نے وہ غضب کی۔ آگ برسائی کہ جسقدر اُن کی تعریف کیجائے کم ہے۔ لیکن مہاراجہ کی فوج آگے بڑھنے سے پھر بھی نہ چوکی ✢

جب رات ہوئی۔ اور اندھیرے میں ایکدوسرے کا بازو بھی نظر نہیں آتا تھا۔ تو مہاراجہ گلاب سنگھ خاکی وردی پہنکر خفیہ طور سے آگے کو بڑھتے بڑھتے قلعہ کی کھائی تک جا پہونچے۔ رات کو دونون طرف سے خوب بندوق چلی۔ صبح دم میان لشنا اور چار اور نوجوان کہیں سے درخت کاٹ لائے۔ جن کے تنون اور شاخون سے ایک جگہ کھائی بند کیگئی۔ آگے سے بڑھنے کا راستہ بھی بن گیا۔ اور قلعہ کی دیوارون پر چڑھ جانے کے لئے

سیٹرھیاں بھی تیار ہوگیئں۔ بعد اُس کے میاں گلاب سنگھ بہ نفسی آگے ہیں قلعہ کے دروازہ پر جا پہونچا۔ اور قلعہ گیر فوج کو اُس نے زور سے پکار کر کہا۔ کہ دروازہ کھولدو ✢

محصورین نے جب دیکھا۔ کہ بچاؤ کی اب کوئی صورت نہیں ہے۔ تو چند شرائط پر دروازہ کھولدینے پر رضامند ہوئے۔ اُن کی شرطیں منظور کر لی گئیں جس کے بعد قلعہ گیر فوج دروازہ کھولکر اور ہتھیار چھوڑ کر قلعہ سے باہر نکل آئی۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ نے قلعہ کا قبضہ کر کے اُس کی تھانہ داری میاں لشن سنگھ عرف میاں لشنا کو دی۔ لیکن یہ انتظام جلدی بدل گیا۔ کیونکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے علاوہ رائے کوٹ اور بسانتھی کے یہ قلعہ بھی معہ رام نگر کے راجہ سوچیت سنگھ کو دیدیا۔ اور اُس کے مل جانے سے راجہ سوچیت سنگھ کی کل جاگیر ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی ہوگی ✢

مہاراجہ گلاب سنگھ کے ماتحتون کا تبّت خورد کو فتح کرنا

معلوم ہوتا ہے۔ کہ ریاسی ارناس اور کشتوار کا بالا حاکم میاں زور آور سنگھ کلہوریہ تھا۔ جس نے بوجہ اس حکومت کے لداخ پہ حملہ کرنیکے لیے اوتم بہڈبال کے ساتھ مشورہ کیا۔ اور آخر کار ان دونون نے ایک مہم تیار کی جسکو لیکر میاں زور آور سنگھ کلہوریہ نے لداخ پر جس کے متعلق اُس کو پیشتر سے کوئی علم نہ تھا۔ چڑھائی کی ✢

اس مہم نے پہلے پرگنہ سورو کرگل۔ اور دراس کو فتح کیا۔ پھر جبکار کو سکھون کی عملداری میں شامل کیا۔ لیکن لداخ فتح نہو سکا ✢

سنہ ۱۸۹۰ بکرمی میں زور آور سنگھ کلہوریہ نے لداخ پر چڑھائی کی۔ اور چھوکہہ جھیل

نے جو لداخ کا راجہ تھا۔ یہ سوچکر کہ جنگجو ڈوگروں کے ساتھ مقابلہ کرنا باعث بربادی ہوگا۔ جنگ نہیں کیا۔ بلکہ زور سنگھ کے پاس حاضر ہوکر اُس نے اطاعت قبول کی۔ اور تیس ہزار روپیہ سالانہ باج دینے پر رضامند ہوا۔ جس میں سے مہاراجہ گلاب سنگھ نے پیچھے سے پانچہزار روپیہ کم کر کے صرف پچیس ہزار روپیہ سالانہ خراج لینا منظور کیا +

اسی اثنا میں زور آور سنگھ کلہوریہ کی خوش نصیبی سے جسکو ملک گیری کا بہت شوق تھا۔ احمد شاہ والئے اسکردو اور اُس کے بیٹے محمد شاہ میں نفاق ہو گیا۔ بوجہ جس کے محمد شاہ اسکردو سے بھاگ کر لداخ میں زور آور سنگھ کے پاس آگیا۔ اور بہادر زور آور سنگھ نے خوش ہو کر یہانتک اس کو پناہ دی۔ کہ واپسی کے وقت اُس کو لداخ کے راجہ کے حوالہ کردیا +

لیکن زور آور سنگھ کی واپسی کے بعد محمد شاہ کے ساتھ اچھا سلوک نہوا جونہیں لداخ کے راجہ نے دیکھا۔ کہ اُس کا فتح کرنیوالا میاں اُس کی نظروں سے غایب ہو کر بہت دور چلا گیا ہے۔ تو اُس نے محمد شاہ کو اُس کے باپ کے پاس پیادہ پا اسکردو میں بھیجدیا۔ بوجہ جس کے اس بیچارے کو موسم زمستان میں برفانی راستہ سے گذر کر اسکردو کو جانے سے صرف اُس کے پیر ہی برفوں سے نہیں سڑ گئے تھے۔ بلکہ جب وہ اسکردو میں پہونچا۔ تو وہاں بھی اُسکا باپ اُسکے ساتھ بہت بری طرح پیش آیا +

میاں زور آور سنگھ کو جب معلوم ہوا۔ کہ لداخ کے راجہ نے محمد شاہ کے ساتھ ایسا خراب سلوک کیا ہے۔ تو آگ بگولا ہو کر موسم بہار کے شروع ہوتے ہی گندہ بہار کے بادل کیطرح پھر لداخ پر چڑھ آیا۔ راجہ موروپہ تنزین جہاں اُس نے چیچھکہ چھپل کو گدی سے اُتار کر اُس کی جگہ ایک شخص موسومہ منسل چین کو راجہ بنایا۔ اور لہہ رک اوچہ گنتیا کو اُس کا وزیر مقرر کر کے واپس چلا آیا۔ لیکن ابھی وہ صدر مقام پر نہیں پہونچا تھا۔ کہ زنسکار دراس اور کرگل کو جو کرنیل میاں سنگھ

گورنر کشمیر کا آوردہ تھا۔ راجہ علی شیر والئے کرتنک نے فتح سنگھ جوگی کے اشارہ سے مار ڈالا۔ جس پر اُس کو حکم ہوا کہ موقعہ پر جاکر مجرمان کی گوشمالی کرے۔ بلکہ رحیم خان پشکومہ اور راجہ احمد شاہ والئے اسکردو کو بھی سزا دیوے۔ جنہون نے کہ مجرم کو پناہ دی ہے ✤

بہار کے شروع ہوتے ہی میان زور آور سنگھ نے پھر چڑہائی کی۔ اور بجلی کیطرح اسکردو میں پہونچکر جاتے ہی قلعہ ارمن کو سر کرلیا۔ جس کا بانی افسر اسباب پشنگی بتلایا جاتا ہے۔ اور بوجہہ مضبوطی کے خاص شہرت رکھتا ہے ✤

راجہ احمد شاہ نے اس موقعہ پر ایک قلعہ میں پناہ لی۔ جس میں وہ بہت دنون تک محصور رہا۔ اور آخر کار مجبور ہوکر قلعہ سے باہر نکلا۔ اور بہادر میان کے حضور میں باظہار اطاعت حاضر ہوا۔ جس نے اُس کو معافی دیکر مہربانی کے ساتھ رخصت کیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ پابندی لگادی۔ کہ احمد شاہ اپنا وزیر اپنے بیٹے محمد شاہ کو بنادے۔ اس چڑہائی میں میان زور آور سنگھ نے چھوٹے چھوٹے راجگان کہپلو۔ درندو۔ اور کراشک کو بھی مغلوب کرکے اُن کو سالانہ باجگذار بنالیا ✤

ان فتوحات کے بعد رحیم خان پشکومہ بھی گرفتار ہوکر قید کیا گیا۔ جس کے بعد میان زور آور سنگھ نے ایک دستہ فوج کا قلعہ استور کے سر کرنے کے لیئے زیر کمان ٹدہن شاہ روانہ کیا۔ اس قلعہ میں راجہ جبار خان بیس یوم تک لڑتا رہا۔ جس کے بعد خوراک کے ختم ہوجانے سے اُس نے چند شرائط پر اطاعت کی۔ اور قلعہ کا محاصرہ اُٹھایا گیا ✤

بعد اس دار و گیر اور رحیم خان پشکومہ کی گرفتاری کے یہان سے زور آور سنگھ واپس لوٹا۔ اور لداخ میں پہونچا۔ جہان اُس نے چھوکھہ چھیل کے متوفی نواسہ کو دونگل کی گدی پر بٹھایا۔ اور مورت من چین والئے لداخ کو معزول کرکے قید کیا۔ کیونکہ مگنا تہانہ دار نے اُس کی بہت شکایت کی تھی ✤

چھوکھہ چھپل متوفی کے نواسہ کو اس واسطے متوفی مذکور کا جانشین بنایا گیا۔ کہ جس وقت ڈوگرہ فوج نے اسکردو پر چڑہائی کی تھی۔ چھوکھہ چھپل زندہ تھا وہ ڈوگرہ مہم کے ساتھ اسکردو کو گیا۔ اور ڈوگرہ فوج کو ہر ایک قسم کی مدد دیتا رہا۔ لیکن ہورنت من جین سنگے نہ مہم کے ہمراہ گیا۔ نہ اُس نے کسی قسم کی امداد دی۔ لداخ میں بڈہن شاہ پر بھی بوجہ اُس کے کسی بداعمالی کے آفت آئی جسپر وہ قید کیا گیا۔ اسکے بعد موضع شام چک کے چھ سو آدمی جنکو شنرہا کہتے ہیں۔ سرکش ہوکر قلعہ لداخ کا محاصرہ کر بیٹھے۔ یہ محاصرہ چھ ماہ تک قایم رہا۔ جسکے بعد ڈوگرہ فوج کی کمک پہونچی اور اُسنے سرکشون کو مار بھگایا ✤

ڈوگرون کا لداخ کے آگے جاکر ملک گیری کرتے ہوئے تباہ ہونا

جب زور آور سنگھہ کلہوریہ نے لداخ تک تمام کوہستان فتح کر لیے۔ اب اُسکو لداخ سے آگے چڑہائی کرنیکی سوجھی جس خیال سے اُسنے فوج کو لداخ میں جمع کیا۔ اور پہلے گر پر حملہ کرنا چاہا۔ گر پر حملہ کرنیکے واسطے اُس نے فوج کے چار حصہ کیے۔ پہلے حصے کی کمان اُس نے ایک شخص مسمی مگنا کو دی۔ جسکو حکم ہوا۔ کہ دریائے چزنگ سنگہنے کبہس کے طرف سے آگے کو بڑہے دوسرے حصے کی کمان چودہری بہولا اور سبہن بہوٹے کو ملی۔ اور دونون کو حکم ہوا۔ کہ ٹیسی گنگ کو عبور کرکے اُسی راستہ سے گر پر حملہ آور ہون۔ تیسرا حصہ بسرکردگی میان مان سنگھہ اور رنسنگھہ ہاڑا ازراہ لوبرا روانہ ہوا۔ چوتھے حصے کی کمان خود میان زور آور سنگھہ نے لی۔ اور لوبرا میں سے گذر کر اُس نے پوردلا میں قیام کیا ✤

ڈوگرہ لوگ گر سے ابھی باران کوس دور ہی تھے۔ کہ تبتی لوگ مقابلہ کیلئے موجود ہوئے۔ اور ایک خونخوار جنگ شروع ہوا۔ جس میں میان مان سنگھ کا لڑکا مارا گیا۔ اور تبتیون نے بہت سخت مقابلہ کیا۔ لیکن آخر کو نقصان برداشت کرنے کے بعد مغلوب ہوئے اور ڈوگرون نے گر کا قبضہ کرلیا +

گر کی فتح کے بعد ڈوگرے مان تلائی کیطرف بڑہے۔ جو یہان سے ۱۲ دن کی مسافت پر ہے۔ لیکن ڈوگرے وہان تین یوم میں ہی پہونچے۔ جہان سے مان مرگ کو جاتے ہوئے پھر اُن کا مقابلہ تبتیون نے بہت زور و شور سے کیا لیکن اس موقعہ پر بھی کہیت ڈوگرون کے ہاتھ رہا۔ اور قلعہ گردوک پر قابض ہوئے۔ اس فتح سے ڈوگرے اُس نام کے ضلع کے مالک ہو گئے۔ جسکی حکومت انہون نے وزیر کو دی +

تبتیون کا قول ہے۔ کہ زمانہ قدیم میں اس ملک کو مان دہاتا نے فتح کیا تھا۔ جن کی راجدہانی ملک مالوہ اور اغلباً اونکار ناتھ میں تھی جس کے کہنڈرات وہان اب تک نظر آتے ہیں۔ بلکہ ۱۸۸۴ء میں مولف نے بھی خود دیکھے تھے تبتیون کے قول کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے۔ کہ علاقہ تبت میں بہت سے مکانات اور جھیلون کے نام ابتک مان دہاتا کے نام سے مشہور ہیں۔ جیساکہ مان تلائی۔ مان سرور۔ اور مان بولا وغیرہ +

بعد فتح گردوک کے ڈوگرون نے پورنگ بھی فتح کیا۔ جہان انہون نے ایک ماہ تک قیام رکھا۔ اور اپنی فتوحات کی یادگار میں ایک نیا قلعہ بنایا بلکہ ایک بڑے چٹان پر جو ابتک وہان موجود ہے۔ اور تبتیون اور ڈوگرون کی سرحد تصور کیا جاتا ہے سنسکرت اور بہوٹی زبان میں اپنی فتوحات کا سال اور مختصر حال کہدوایا +

قلعہ پورنگ کے ایک طرف انگریزی علاقہ اور دوسری طرف نیپالیون کی حکومت کی سرحد ہے +

اسطرح ڈوگرون کے پورنگ میں آجانے سے اور اُن کی فتوحات سے گرد و نواح کے ملک میں سخت گبراہٹ پیدا ہوئی - حتی کہ نیپالیون کا ایک افسر معہ ایک سو بیس نوکر و چاکرون کے زور آور سنگھ کے قیام گاہ میں اُسکے آیندہ ارادہ اور حرکات کا حال دریافت کرنے کو پہونچا - زور آور سنگھ نے اُس کی خاطر تواضع اُس کے درجے کے مطابق کی - اور تین چار روز تک وہ زور آور سنگھ کے پاس بطور مہمان کے رہا جس عرصہ میں اُس نے بہت کوششین کین کہ ڈوگرے اور نیپالی انگریزون کے برخلاف اتفاق کرلیوین - لیکن زور آور سنگھ نے اُس کی یہ درخواست بالکل منظور نہیں کی +

پورنگ سے زور آور سنگھ مان تلاسی کو گیا - یہان ایک ہفتہ قیام رکھا - پھر لاکھن گرہی کو گیا - اور لاکھن گرہی سے کیلاس کو بڑھا - جہان تین یوم قیام کیا - یہان وہ ایک مندر بنانا چاہتا تھا - مگر اُس کی یہ خواہش پوری نہو سکی -

زور آور سنگھ کی فتوحات نے لاسہ میں بہت تشویش پیدا کر رکھی تھی - بوجہہ جسکے ایک تبتی جرنیل بسرکردگی ایک فوج عظیم کے اُس کی سرکوبی کو آیا اُس جرنیل کا نام بقول ڈوگرون کے چہک ادت تھا - زور آور سنگھ کو اُس کے تقریب آجانیکی باموقعہ خبر ملگئی تھی - مگر اُسکو خیال ہوا - کہ مثل نیپالی افسر کے وہ بھی اُس کے ملاقات کو آرہا ہے - اور یہ خیال کرکے وہ اوس کا انتظار مان سرور میں کرنے لگا +

لیکن چہک ادت بجائے مان سرور کے قلعہ گوردنگ پر حملہ آور ہوا - قلعہ گیر فوج نے مقابلہ کیا - اور بجز ایک شخص کے سب قتل ہوگئے - اس ایک شخص کا نام جیبرو کوتوال تھا - جو یہ خبر لیکر زور آور سنگھ کے پاس پہونچا +

اب زور آور سنگھ کی آنکھیں کہلیں - اور خطرہ معلوم ہوا - بوجہہ جس کے ایکطرف تو اُس نے کچھ فوج زیر کمان میان مان سنگھ سنگہاڑا اور رہوپا کوتوال کے چہک ادت کے مقابلہ کے لئے فوراً روانہ کی - دوسری طرف تمام افسرون

کی مستورات کو معہ اپنی عورت کے لداخ کو واپس بھیجدیا۔ اس کے بعد وہ دشمن کے ساتھ ایک خونخوار جنگ کرنیکے واسطے مرنے اور مارنے کیلیے تیار ہو گیا ✢

لیکن سامان تمام اُس کے برخلاف تھے۔ نہ لکڑیان موجود تھین۔ اور نہ خوراک کا ذخیرہ ہی موجود تھا۔ کھانے پینے کا تمام سامان ختم ہو چکا تھا۔ مزید ان اوسکی بدنصیبی سے برف پڑ گئی۔ سردی اور برودت اس کثرت سے ہو گئی۔ کہ ندیان نالی جھیلین اور دریا سب جم گئے ✢

ڈوگرہ بیچارے گرم ملک کے رہنے والے تھے۔ سب کے سب بھوک پیاس سے جان بلب اور سردی سے ٹھٹھر کر ادہ موے ہو گئے۔ ادھر چہک اوت نے قلعہ گیر فوج کو تہ تیغ کر کے چاروں طرف دار و گیر اور قلعہ گیری شروع کر دی جو ڈوگرہ جہان نظر آتا۔ اُس کو مار گراتا۔ جب تمام قلعے یکے بعد دیگرے اسطرح قبضہ مین آ گئے۔ پھر یہ جرنیل زور آور سنگھ کی مزاج پرسی کو مڑا۔ جو اپنی تمام فوج کیساتھ پورنگ مین اس کا انتظار کر رہا تھا ✢

یہان ایک دست بدست جنگ ہوا۔ ڈوگرون کا کام تو بھوک پیاس اور سردی نے پہلے سے ہی تمام کر رکھا تھا۔ چہک اوت نے سب کو گھیر کر گاجرون اور مولیون کیطرح کتر ڈالا۔ اور زور آور سنگھ کے ساتھ تو ایسی سختی کی۔ کہ اسکی ایک ایک بوٹی تمام تبتیون نے نوچ نوچ کر کھالی۔ اور اپنا کلیجہ ٹھنڈا کیا اس تباہی مین سے بجز ایک ڈوگرہ کے اور کوئی بھی نہ بچا۔ اس ڈوگرہ کا نام منتہہ بستی رام تھا۔ جو الموڑا کے پہاڑون سے ہو کر چین مین پہونچا۔ اور جب وہ وہان پہونچا۔ تو پھر ڈوگرہ فوج کی اس نہایت افسوسناک تباہی کی خبر حکام بالا کو ہوئی ✢

ڈوگرہ فوج کی تباہی کے بعد تبت خورد کی بغاوت اور دیوان ہریچند کی چڑھائی

ڈوگرہ فوج کی جو تباہی پورنگ میں ہوئی۔ اُس کی شہرت سنکر تبت خورد کے تمام نو مفتوح علاقون کو بغاوت کی سوجھی — اور لداخ سے لیکر کشمیر کی حد تک سب کے سب سرکش ہو گئے۔ لداخ میں کلن ورچک کلن درگا اور بونتا چین نے سرکشی اختیار کی۔ اور اسکردو میں احمد شاہ نے بغاوت کا علم بلند کیا۔ حتی کہ ان سے چھوٹے درجے کے جو زمیندار۔ نمبردار یا رئیس اور سرآوردہ لوگ تھے۔ وہ بھی سب ان باغیون کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور خود مختاری کا دم بھرنے لگے +

اس بغاوت کا اسقدر زور بڑھا۔ کہ پورنگ سے ڈوگرہ سردارون اور فوج کی جو مستورات کی ٹولی زیر کمان کمیدان پہلوان سنگھ اور منشی گوبند تا کوچ اور مقام کرتے ہوئے لداخ میں داخل ہوئے +

باغیون کے خوف سے یہان اُن کو قلعہ میں جا کر پناہ لینی پڑی۔ اور چھ ماہ تک بامید امداد اسی قلعہ میں بند رہنا پڑا۔ لیکن بمقابلہ باغیون کے قلعہ میں پناہ لینے والون کی اور قلعہ گیر فوج کی تعداد اس قدر کم تھی۔ کہ اگر کمیدان تیغ سنگھ جس کو روانگی کشمیر کا حکم ہو چکا تھا۔ اور جو کشمیر کا سفر کرتے ہوئے لداخ سے بہت دور ہو گیا تھا۔ اگر ڈوگرہ فوج کی تباہی کی شہرت سنکر اپنی پلٹن کو جس کا نام فتح پلٹن ہے۔ واپس کر کے اُس پلٹن کے سمیت قلعہ میں داخل نہ ہوتا۔ تو قلعہ لداخ بھی معہ پناہ گیرون اور قلعہ گیر فوج کے باغیون کے قبضہ میں آجاتا +

اب جمون کی خبر سنئے۔ جب یہان فوج کی تباہی اور تبتیون کی بغاوت اور ڈوگرہ

مستورات کے لداخ میں محصور ہونیکی خبر پہونچی۔ گھر گھر ماتم پڑ گیا۔ انتقام گیری کا جوش سب کے دل میں پیدا ہوا۔ اور لداخ کے محصورین کی امداد اور ہمدردی کی پرجوش پکار سے تمام ملک گونج اوٹھا +

مہاراجہ گلاب سنگھ اس وقت ہزارہ میں تھا۔ اور جرنیل پالک کیواسطے جو پشاور میں تھا۔ رسد رسانی کا انتظام کر رہا تھا۔ کہ ماہ پھاگن سنہ ۱۸۹۸ بکرمی میں اُس کو بھی معلوم ہوا۔ کہ جانباز اور بہادر سردار زور آور سنگھ معہ ماتحت فوج کے پورنگ میں مارا گیا۔ اور نو مفتوح علاقہ سب ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ اس خبر سے اُس کو اس قدر رنج ہوا۔ کہ جس کا ذکر کرنا بہت مشکل ہے۔ بہرحال طبیعت کو قابو کیا۔ اور انتقام گیری کا ارادہ کر لیا۔ بس اب کیا تھا۔ بحکم مہاراجہ شیر سنگھ اپنا چارج پوربیہ پلٹن کو دیکر حسن ابدال کی راہ پکڑی۔ یہاں سے ہری پور ۱۵۰ میل کے فاصلہ پر تھا۔ جس مسافت کو دیوان ہری چند نے ایک ہی دن میں طے کیا۔ یہاں اس نے ایک دن کا وقفہ ڈالکر اور راجہ دھیان سنگھ سے مشورہ کر کے فوراً میرپور کو روانہ ہوگیا +

میرپور میں دیوان ہری چند نے پندرہ روز تک قیام رکھا۔ اور فوج کی کمان تقسیم کر کے آخر کار چھ ہزار فوج اور کچھ توپیں لیکر از راہ اوڑی منزلیں مارتا ہوا کشمیر میں پہونچا۔ کشمیر میں چونکہ آئندہ سفر کیلیئے مزدوروں کی ضرورت تھی۔ اس واسطے دیوان صاحب مذکور کو یہاں بھی دو ہفتوں کا قیام کرنا پڑا۔ اور اس عرصہ میں شیخ محی الدین گورنر کشمیر کا مہمان بنا رہا +

پندرھویں روز شیخ محی الدین نے پانچ ہزار مزدور بہم پہونچا دیے۔ اور مہم نے آئندہ سفر شروع کر کے آٹھویں دن دراس میں قیام کیا۔ جہاں کا تھانہ دار نگنا تھا۔ تھانہ دار مذکور کو جس وقت مہم مذکور نظر آئی۔ خوشی کے مارے آنکھوں سے پانی جاری ہوا۔ اور وفور شادی سے نعرہ مارتا ہوا آگے جا ملا +

اس وقت دیوان ہری چند کے پاس ایک رپورٹ سوچیتا تھانہ دار کرگل

کی پہونچی - اُس میں اُس نے لکھا تھا - کہ مدد فوراً پہونچے - ورنہ میرا اور میرے ماتحتون کا خاتمہ ہوجائیگا ✣

اب باغیون کا حال سنئیے - انہون نے جب سُنا - کہ اُن کی سرکوبی کے لیئے ڈوگرون کی مہم آرہی ہے - تو مہم مذکور کے سد راہ ہونے کے لیئے انہون نے دریائے سندہ پر دو زبردست برج بنائے اور نیت یہ کی - کہ جب ڈوگرہ فوج اس موقعہ پر پہونچے - تو ان برجون میں سے اُن پر بندوقون کی بوچہاڑ کر کے اُن کو آگے نہ بڑہنے دینگے - اور یہان ہی مار ڈالینگے ✣

لیکن دیوان ہری چند ایک جنگ آزمودہ شخص تھا - اُس نے آئندہ راستہ کی کیفیت اور ان برجون کی حالت پہلے سے ہی دریافت کر رکھی تھی - ادہر تو اُس نے جمعدار رام سنگھ کو تین ہزار فوج اور کچھہ توپین دیکر گرنگل کو روانہ کر دیا - کہ وہان پہونچکر باغیون کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کرے - ادہر حسب مشورے اور شمولیت وزیر زنتو کے کمال احتیاط کے ساتھ آگے بڑہنا شروع کیا - ادہر برجون کے نزدیک پہونچکر ایک طرف سے وزیر زنتو نے اور دوسری طرف سے اُس فوج نے جو دیوان مذکور نے اس کام کے لیئے خود اپنے ماتحت رکھی تھی - گولہ باری شروع کردی - بلتی لوگ اپنی طرف سے جان توڑ کر لڑے - لیکن اُنپر صرف دیوان یا وزیر کی ماتحت والی فوجین ہی حملہ آور نہ نہیں - بلکہ جو ڈوگرے قلعہ میں محصور تھے - وہ بھی قلعہ سے نکلکر پیچھے سے اُن پر ٹوٹ پڑے - اور اسطرح سے بلتیون کا ناک میں ایسا دم آیا - کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن والی بات ہوگئی - اور آخر کار اُن کے ایسے پیر اوکھڑے - کہ بہت آدمی گھبرا کر دریا میں ڈوب مرے - بلتیون کا نقصان اس جنگ میں دو سو آدمیون کی ہلاکت ظاہر کیا گیا ہے - لیکن ڈوگرون کا نقصان کچھہ بھی نہیں بتایا گیا ہے فتح حاصل کرنے کے بعد ڈوگرون نے دریا کو عبور کیا - دونون برجون کو گرا دیا - اور قلعہ میں داخل ہوکر ایک دن قیام رکھا - جس قیام میں ایک نو

جنگ کے نقصان شدہ سپاہیون کو جو مر گئے تھے۔ پھونک ڈالا۔ جو زخمی ہو گئے تھے۔ اُن کی مرہم پٹی کی۔ اور جو سپاہی گھیرے میں آ گئے ہوئے تھے۔ اُن کے بہادرانہ مقابلہ کی بہت تعریف کر کے فی سپاہی بیس بیس روپیہ انعام دیا +

دوسرے دن ہم آگے کو بڑہی۔ اور ایک موقعہ پر خبر ملی۔ کہ چھکٹ اونت اور علیخان پشکومہ مقابلہ کرنیکو آرہے ہیں۔ جس پر دیوان ہری چند دو پلٹنیں اور ایک دستہ رسالہ کا لیکر اُن کے مقابلہ کے لئے خود بڑھا۔ لیکن چھکٹ اونت معہ فوج کے دم دبا کر بھاگ نکلا۔ البتہ علی خان پشکومہ معہ اپنے دو سو ہمراہیون کے جنگ آزما ہو کر کالو برہمن کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور بوجہ اُس کی ہلاکت کے اُس کے باقی آدمی بھاگ نکلے۔ دیوان مذکور نے کالو برہمن کو اس بہادری کے صلہ میں جمعدار بنایا اور سونے کا ایک کنٹھا بخشا +

یہان فوج نے تین یوم قیام رکھا۔ اور تازہ دم ہو کر ملبہ اور لمبرو کا رخ کیا اور یہان بھی دو دن قیام رہا پھر ہم مذکور کوچ کر کے فلسی کو پہونچی +

جنگ چمرا اور نواسان اور تبتیون کی کامل شکست

جب دیوان ہری چند معہ اپنی فوج کے فلسی میں پہونچا۔ تو دیکھتا کیا ہے کہ تبتیون نے دریائے سندہ کے اُس پل کو جو اس جگہ تھا۔ نیست و نابود کر کے دریا کا پانی اسطرح سے روک رکھا تھا۔ کہ جس علاقہ میں سے ہو کر دیوان مذکور کی ماتحت فوج نے گذر کرنا تھا۔ وہ علاقہ سر بسر غرق آب ہو گیا۔ اس چند روزہ قیام میں ڈوگرون نے صرف دریا پر پھر ایک نیا پل ہی نہیں بنایا۔ بلکہ بند توڑ کر وہ تمام پانی بھی خارج کر دیا۔ جس نے کہ سفر کرنے کا تمام راستہ غرق آب کر رکھا تھا۔ یہ دونون کام بہت مشکل تھے لیکن

ڈوگروں کی سخت جانفشانی سے سہل ہو گئے۔ یہ پل ابھی موجود ہے۔ اسکے بغیر اُس سے آگے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ جس کے بعد فوج نے کوچ کیا۔ اور آخرکار چند یوم کے بعد نشکم میں جا داخل ہوئی۔ جہاں دیوان نے کل فوج کے دو حصے کر دیئے۔ جن میں سے ایک حصہ باڈوبیران کی کمان اُس نے وزیر رتنو کو دی۔ اور دوسرا حصہ اپنے ماتحت رکھا۔ وزیر رتنو کی فوج دریا کے کنارہ کنارہ ڈانسی سے اوپر کی جانب چل پڑی۔ یعنے اوسطرف کو روانہ ہوئی۔ کہ جس طرف سے دریا آتا ہے۔ اور دیوان ہری چند کی فوج نے ایک اور جانب سے پیش قدمی کی۔ راستہ میں دشمن سے فوج کے کسی ڈویزن کا بھی ٹاکرہ ہوا لیکن لداخ سے دو میل کے فاصلہ پر معلوم ہوا۔ کہ چھک ادت کی جانب سے چھ سات ہزار آدمیوں کی فوج اُنکے مقابلہ کے لئے اُس جگہ موجود ہے +

مگر دیوان ہری چند ایسا خوش نصیب نکلا۔ کہ اُس کی فوج کی آمد کا آواز سنکر تبتی لوگ یہاں سے بھی مقابلہ کرنے کے بغیر ہی کافور ہو گئے۔ اور ڈوگروں نے اس مقام کو بھی ایک بندوق چلانیکے بغیر ہی سر کر لیا۔ اب ڈوگروں نے قلعہ لداخ کو جو کہ مدت سے محصور تھا تخلصی دینے کے لئے جلد جلد قدم اُٹھائے۔ اور لداخ میں پہونچنے پر بھی کوئی جنگ نہوا +

چھک ادت کا بھائی جس نے اس قلعہ کا محاصرہ ڈال رکھا تھا۔ ڈوگروں کی شکل دیکھتے ہی محاصرہ اُٹھا کر نوک دم بھاگ نکلا۔ لیکن محصورین کے اب اسقدر حوصلے بڑھے۔ کہ اُن میں سے پہلوان سنگھ۔ تیغ سنگھ۔ اور منشی گوراندتہ نے اُس کا سخت تعاقب کیا +

دوسرے دن دیوان ہری چند نے موضع بھرنگ میں قیام کیا۔ یہ گانو لداخ سے دو میل آگے ہے۔ یہاں سے کشمیری مزدور انعام پاکر رخصت کئے گئے۔ اور قلعہ لداخ کی محصور فوج کو چھ ماہ تک دشمن کے آگے رہنے اور کمیدان پہلوان سنگھ۔ تیغ سنگھ اور منشی گورندتا کے احکام کی تابعداری

کرنیکے صلہ میں پانسو روپیہ بطور انعام ملے ۔ مگر جن سپاہیون کو زخم لگے تھے اُن کو علاوہ پانسو روپیون میں سے حصہ پانیکے فی سپاہی بیس بیس روپیہ دیے انعامون کی تقسیم کے بعد ایک ہزار جوان میان جواہر سنگھ کے زیر کمان جسکار کا علاقہ سر کرنیکو ۔ اور پانسو جوان زیر کمان ایک نرانیان میان کے لوبراہ کا قبضہ کرنیکو بھیج گئے ۔

چھک اونت اسوقت قلعہ رودک میں تھا ۔ جب اُس نے سنا کہ ڈوگرے جسکار اور لوبراہ پر بھی چڑہائی کرنے لگے ہیں ۔ تو اپنے بھائی کو جسکا نام اچھن جوت تھا ۔ ایک ہزار جوان دیگر جسکار اور لوبراہ کیطرف بڑہنے والے ڈوگرون کی روک تھام کے لئے روانہ کیا ۔ بلکہ اب کی دفعہ اُس کے ساتھ اور بھی ایک سردار کو جسکا نام کرن شاہ تھا ۔ اور جو کیلون کے راجہ کا بھائی تھا لگا دیا ۔

جب اچھن جوت چمراہ کے مندر کے قریب پہونچا ۔ جہان سے لداخ دس کوس پرے رہ جاتا ہے ۔ تو اُس نے ڈوگرون پر چھاپہ مارنیکی ٹھہرائی ۔ لیکن یہ راز کسی طرح مندر نرکہانہ کے پوجاری پر کھلگیا جس نے اس کی اطلاع دیوان کو فوراً دیدی ۔ اور اُس نے کسیقدر اور فوج کو زیر کمان میان سرخو سنگھ اور منشی گوراندتا کے اس غرض سے روانہ کیا ۔ کہ راستہ میں موقعہ دیکھکر اچھن جوت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرے ۔ اور اڑے وقت پر اپنے سابقہ روانہ شدہ بھائیون کا ہاتھ بٹاوے ۔

چنانچہ چمراہ کے مندر کے قریب اس فوج کا تبتیون کے ساتھ مقابلہ ہوگیا ۔ اور لڑائی چھڑ گئی جس میں تبتیون نے سخت شکست کھا کر قلعہ چمراہ میں پناہ لی ۔ مگر فتح یاب ڈوگرون نے یہان اُن کو محصور کر لیا ۔ جب دیوان ہری چند کو اس فتح کی خبر ملی ۔ اور اُس نے سنا ۔ کہ اُس کی فوج نے تبتیون پر محاصرہ ڈال رکھا ہے ۔ تو جس قدر فوج لداخ میں تھی ۔ اُس میں سے صرف ایک پلٹن کو لداخ میں چھوڑکر باقی تمام فوج کو ہمراہ لیکر اپنی محاصرہ کرنے والے

بہادر ڈوگرون کی مدد کو پہونچا۔ تبتیون نے محصور ہو کر سخت مقابلہ کیا۔ لیکن ڈوگرون نے اُس کے مندر نما قلعہ کی دیوارون میں تین چار شگاف کر کے اندر اُس میں راستہ بنا ڈالے۔ اور اُن کا پانی بھی بند کر دیا۔ بلکہ چوتھی روز اُن کے پاس کچھ کہانیکو بھی نہ رہا +

جب اس طرح سے تبتیون کا دم ناک میں آیا۔ تو اُنہون نے امان چاہی۔ اور چند رعایتون کے حاصل ہونے پر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور اپنے آپ کو فتحیاب ڈوگرون کے رحم پر چھوڑ دیا +

دروازہ کے کُھلنے پر دیوان ہری چند کے حکم سے بخشی۔ نہال چند قلعہ کے اندر داخل ہوا۔ جہان تبتیون کے ہتھیار چھینے گئے۔ اور سوائے چھ سو نامی اشخاص کے باقی تمام تبتی چھوڑ دئے گئے +

جو تبتی اسیر سلطانی بنائے گئے تھے۔ ان میں اچھن جوبت اور کرن شاہ بھی شامل تھا۔ جو معہ دیگر تمام قیدیون کے لداخ کو روانہ کئے گئے۔

اس فتح کے بعد دیوان ہری چند چار یوم تک وہان ہی قیام پذیر رہا۔ اور لوگون کے ساتھ اُس نے ایسا عمدہ برتاو کیا۔ کہ امن بخوبی قایم ہو گیا۔ چار یوم کے بعد اُس جگہ کی حکومت دیوان مذکور نے میان سردہو سنگھ اور رانجی مل کے سپرد کر کے خود لداخ کو چلا آیا۔ جہان سے اس فتح کی ایک مفصل رپورٹ اس نے مہاراجہ گلاب سنگھ کو لکھی۔ جس کے جواب میں اُس کو حکم آیا۔ کہ جو تبتی سردار جنگ میں قید ہوئے ہیں۔ اُن کی عزت کیجائے اور اُن کے ساتھ مہربانی اور فیاضی سے سلوک کیا جائے۔ آٹھ دن کی قید کے بعد تبتی سردارون کے حوصلے ایسے ٹوٹے کہ اول تو اُنہون نے شور کیا۔ کہ ہم لوگ آزاد کیون نہیں کیجاتے۔ اور جب دیکھا۔ کہ اُن کے شور و غوغا پر کوئی بھی توجہ نہیں کرتا ہے۔ تو اپنے پہرہ والون پر حملہ آور ہونیکے بعد سب کے سب بھاگ نکلے۔ بعضے پگڈنڈیون کے ذریعہ چل پڑے

بعضون نے پہاڑون کی چٹانون پر چڑھ کے اپنے تعاقب کرنے والون پر پتھر برسانے شروع کیئے +

اور پہاڑون کی چوٹیون پر بوجہ گھبراہٹ کے ایسی بے احتیاطی سے چڑھتے تھے کہ لوٹ پوٹ ہوکر ایک دوسرے پر گر پڑتے تھے +

اس طرح سے ان کوتاہ اندیش بے ہتھیار بھاگتے ہوئے تبتیون کا ڈوگرون کے ساتھ ایک اور جنگ ہوا جس میں دو سو تبتی قیدی اپنی جان پر کھیل گئے اور چار سو پھر زندہ گرفتار ہوئے +

جب چھک ادنت کو معلوم ہوا کہ اس کا بھائی معہ دیگر سردارون کے ہمراہ کے جنگ میں شکست کھا کر قید ہو گئے ہیں۔ تو آگ بگولا ہوکر بشمولیت دیگر نامی جنگی سرداران کو جنکے نام چھپ لاٹ تت۔ ترگو کلھن اور زر شٹے کہر چنگ اپنی فوج کو لیکر ایک مقام پر پہونچا جہان سے لداخ صرف ١٢ کوس کے فاصلہ پر تھا۔ اور اس موقعہ پر سخت مقابلہ کرنیکی نیت سے اس نے اپنی فوج کی پناہ کے لئے اپنے کمپ کے گرد ایک نہایت مضبوط دیوار کھینچ لی۔ ادہر جب سردہور سنگھ اور رامجی مل کو معلوم ہوا کہ دشمن ایک فوج کثیر لیکر ایک طوفان عظیم کیطرح بڑہ رہا ہے۔ تو اس خوف سے کہ مبادا دشمن دفعتاً آپڑے۔ اور چھاپہ مارے۔ انہون نے فوراً دیوان کو ایک رپورٹ بھیجی جس سے خبر پاتے ہی لداخ میں دیوان مذکور نے پہرہ کیواسطے صرف ایک سو جوان چھوڑے۔ اور باقی تمام فوج کو ہمراہ لیکر رام جی مل اور میان سردہور سنگھ کی حمایت کو پہونچا۔ اور قلعہ درنگا کے قریب پہونچکر قیام کیا۔ جہان چھک ادنت نے دفعتاً بوقت شب چھاپہ مارا۔ مگر دیوان اسکی شبخونی کا جواب دینے کو پہلے سے ہی تیار بیٹھا تھا +

اس جنگ میں ڈوگرون نے صرف آگ برسانی ہی شروع نہیں کی۔ بلکہ نشانے وہ تاک تاک کر مارے۔ جو تبتیون کا سردار نظر آیا۔ چت کر دیا اور ساتھ ہی آگے کو بھی بڑہتے گئے۔ جس سے ان کے بالکل قریب آجانے پر دست بدستی

جنگ بھی شروع ہوا۔ جو نہایت تندی کے ساتھ ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہا جسکے بعد اہل تبت نے ہر طرف سے بھاگنا اور ڈوگرون نے ان کا تعاقب کرنا شروع کیا۔ حتی کہ اہل تبت نے بھاگتے بھاگتے قلعہ نواسان میں پناہ لی۔ اور ڈوگرون نے اُن کا گھیرا ڈال لیا +

مگر اہل تبت بہ نسبت پیشتر کے یہان بہت سخت خطرناک ثابت ہوئے۔ کیونکہ محاصرہ کے چوتھے دن انہون نے ایک سرنگ اُڑائی جس سے قریب تین سو ڈوگرون کے مارے گئے۔ جن میں بنا سنگھ کمیدان بھی جو کہ ڈوگرون کا ایک نامی سردار تھا۔ شامل تھا +

قلعہ روکھہ سون ۸ دن تک محصور رہا۔ آٹھوین دن محصورین کی خوراک ختم ہوگئی۔ جس پر انہون نے امان پانیکی خواہش ظاہر کی۔ اور قاضی نادر علی اور وزیر منصدی اُن کے پاس بھیجے گئے۔ جنہون نے قلعہ مین داخل ہوکر تمام تبتی فوج کے ہتھیار لیکر افسرون کو نظر بند کیا۔ اور عام سپاہیونکو رخصت کر دیا +

تبت والون کے جو سردار یا فوجی افسر اس جنگ میں قید ہوئے تھے۔ انمین سے بہت نامور سردارون کے نام حسب ذیل ہین +

ہور نی چن جو ایک گپنے کا راجہ تھا۔ احمد شاہ والئے اسکردو۔ کلہن زرجنگ برمان اچھہ جونت کرن شاہ۔ اور زبرگوہ کلہی جو لداخ میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ اور دغابازی کرنیپر مارا گیا +

میان زورآور سنگھ کلہوریہ کے مارے جانے پر جو توپین بندوقین اور دیگر اسلاح اہل تبت کے ہاتھہ آئے تھے۔ ڈوگرون کو اس جنگ میں وہ ہتھیار اور دیگر سامان سربسر ہاتھہ آگئے۔ فتح حاصل کرنے کے بعد دیوان ہری چند نے تبت والون کا ایک مشہور قلعہ بامیان تھا گروا دیا۔ اور بوجہ علیل ہوجانے کے ملک کا انتظام وزیر رتنو کے سپرد کر کے خود لداخ کو چلا آیا۔ جہان سے اُس نے اس فتح کی ایک مفصل رپورٹ مہاراجہ گلاب سنگھ کے پاس ارسال کی

جمون مین اس فتح کی یادگاری مین توپون کی سلامی ہوئی ۔ اور تھوڑے ہی دنون کے بعد لداخ مین دیوان کے پاس یہہ حکم پہونچا جس کے مطابق ۲ ماہ اسوج سنہ ۱۹۱۹ کو دربار عام لگایا گیا ۔ جس مین چھنگ ادت ۔ کرن شاہ ۔ اور زہر جنگ ہرمان کو خلعتین دی گئیں ۔ اور ایک عہد نامہ پر جو ذیل مین درج ہے ۔ اُن سے دستخط کرائے جانیکے بعد وہ رخصت کیے گئے ✦

نقل عہد نامہ مابین مختار الدولہ دیوان ہری چند و وزیر رتنو مختاران مہاراجہ گلاب سنگھ

یہ عہد نامہ ۲ ماہ اسوج سنہ ۱۸۹۹ بکرمی مین لکھا گیا ۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کیطرف سے اس پر مختار الدولہ دیوان ہری چند اور وزیر رتنو نے اور سرکار چین کیطرف سے بخشی سنجیوہ افسر افواج خاقان چین ۔ اور لاسہ کیطرف سے فلون سوکان والہ نے دستخط کیے ۔ اس عہد نامہ مین حسب ذیل تین شرایط تھیں ۔

شرط اول ۔ لاسہ اور چین کی جانب سے صلح وصفائی اور رابطہ اتحاد قایم رکھا جایگا ۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کیطرف سے بھی اس شرط مین کوئی خلاف ورزی نہوگی ۔

شرط دویم ۔ حدود لداخ جو قدیم سے مقرر ہے ۔ اُس مین لاسہ کسی قسم کی دست اندازی نہ کریگا ۔

شرط سویم ۔ پشم شالی اور چائے جو سال بسال لداخ کے راستہ آتی ہے ۔ بدستور یہہ بھی جایا کریگی ۔ اور لداخ کے راستہ جو سوداگر لوگ آمد و رفت کرتے ہین ۔ اون کے ساتھہ کسی قسم کی مزاحمت نہیں کیجایگی ۔

شرط چہارم ۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے کسی مخالف کو حدود لاسہ مین رہنے کی اجازت نہوگی ۔ نہ اوسکی کسی بات پر توجہ ہوگی ۔

مہاراجہ گلاب سنگھ۔ دہیان سنگھ اور سوچیت سنگھ کا راجہ بنایا جانا

میان ڈیڈو کا خاتمہ کرنے کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مہاراجہ گلاب سنگھ کو کوہستان بودل اور خسالی کے فتح کرنیکا بھی حکم دیا۔ چنانچہ اُس نے ان دونون پہاڑون کو بھی معہ اور درمیانی علاقون کے جن پر چھوٹے چھوٹے اسلامیہ رؤسا حکمران تھے۔ عرصہ قلیل میں فتح کر لیا +

سکھون نے سندھ ملتان یا کسی اور جگہ میں ایسا کوئی جنگ نہیں کیا جس میں یہ تینون بھائی شامل نہ تھے۔ یا جس میں انہون نے نام پیدا نہ کیا ہو جیسی ان تینون بھائیون کی خدمات بڑی تہیں۔ ویسے ہی انہون نے انعام بھی بڑے حاصل کئے۔ حتی کہ تینون بھائی راجے بنائے گئے۔ اور سب کو جاگیرون پر جاگیرین ملیں۔ جمون مہاراجہ گلاب سنگھ کو ملا۔ لیکن اُس نے وہان کی حکومت اپنے باپ کے حوالہ کر دی۔ دہیان سنگھ کو خسالی اور بہمبر کا علاقہ بخشا گیا۔ اور سوچیت سنگھ کو رام نگر عطا ہوا۔ مگر سوچیت سنگھ پر چونکہ سب سے زیادہ مہربانی تھی۔ اسواسطے اُس کی کل جاگیر ڈیڑہ لاکھ روپیہ تک ہو گئی۔ اور دیگر بھائیون کو صرف ایک ایک لاکھ روپیہ کی جاگیر ملی تھی +

مہاراجہ گلاب سنگھ اور اُس کے بھائیون کا عروج

بعضون کا خیال ہے۔ کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ ان تینون بھائیون پر بیجا طرفداری کرتا تھا اور اس طرفداری کا باعث بھی کوئی ناجائز تھا۔ یہ ایک معاملہ ہی جسپر اس مختصر کتاب میں بحث کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن صاف بات تو یہ ہے

کہ یہ اُن کے دشمنون کو بھی ماننا پڑا ہے۔ کہ وہ بڑے دانا۔ دور اندیش اور معاملہ فہم تھے۔ بلکہ جو قیمتی خدمات انہون نے کی تھیں۔ حق پسند مورخون نے اُن کو صاف طور پر تسلیم کیا ہے۔ جاگیرون کے ملنے کے بعد یہ تینون بھائی خالصہ حکومت کے اہلکاران عظام میں شمار ہونے لگے۔ اور اُن کے سپرد وہی کام کیجاتے تھے۔ جنکی انجام دہی کے لئے بہت ہی معتبر اور قابل اعتبار افسرون کی ضرورت پڑتی تھی ✤

سنہ ۱۸۷۵ء میں ملتان کی فتح کے متعلق جمعدار خوشحال سنگھ پر اور مصیبت آئی۔ دیوان چند مصر نے جو کہ فاتح ملتان تھا۔ شہر مذکور کی فتح کے متعلق اُس کی بہت بڑی شکایت کی۔ نتیجہ اس شکایت کا یہ ہوا۔ کہ جمعدار مذکور کی جگہ راجہ دھیان سنگھ ڈیوڑھی کا افسر مقرر ہوا۔ جو شخص مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ڈیوڑھی کا افسر ہوتا تھا۔ دراصل وزیر اعظم وہی ہوتا تھا۔ بلکہ سنہ ۱۸۸۴ میں وہ علانیہ طور پر وزیر اعظم ہی بنایا گیا۔ اور راجہ راجگان ہندوپت کا خطاب بھی اُس کو ملا۔

ہیرا سنگھ جو اُس کا بیٹا تھا۔ اُس کو بھی راجگی کا خطاب اور جسروٹہ میں جاگیر ملی ✤

گو کہ راجہ دھیان سنگھ بظاہر خالصہ حکومت کا وزیر تھا۔ جس عہدہ پر وہ اپنی قتل کے موقعہ تک تا عہد مہاراجہ شیر سنگھ برابر قایم رہا۔ لیکن دراصل مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بیماری کے ایام میں وہ نایب سلطنت تھا۔ اور اُس کے مرجانے کے بعد بادشاہ وہی شخص بنتا تھا۔ جسکو کہ وہ بناتا تھا۔ سنہ ۱۸۷۹ء میں میان کشورا سنگھ جمون میں مرگیا۔ اُس وقت مہاراجہ رنجیت سنگھ اکھنور میں اور مہاراجہ گلاب سنگھ امرگڈہ میں تھا ✤

کشورا سنگھ کے مرنے پر جمون کی گدی مہاراجہ رنجیت سنگھ نے دھیان سنگھ کو بخشی تھی۔ لیکن اُس نے قبول کرنے سے انکار کیا۔ اور کہا کہ ہمارے خاندان کی رسم ہے۔ کہ باپ کا جانشین بڑا بیٹا ہوتا ہے۔ اس لئے یہ گدی مہاراجہ گلاب سنگھ کو ملنی چاہیئے۔ چنانچہ اس پر مہاراجہ گلاب سنگھ

امرگڈھ سے اکھنور طلب ہوا جہان جیوپوتا کے درخت کے نیچے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مہاراجہ گلاب سنگھ کو خود راج تلک لگایا۔ وہ درخت اور وہ جگہ اب تک وہان کے لوگون کو بخوبی معلوم ہے۔ جمون کی گدی حاصل ہونیکے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ لاہور کو کبھی کبھی جایا کرتا تھا

سمت ۱۸۸۴ مطابق سنہ ۱۸۲۷ء میں جب انگریزی سفارت بسرکردگی **الگزنڈر برنس** صاحب کے آئی۔ اوس کی آدبھگت اور پیشوائی کے لئے مہاراجہ گلاب سنگھ اور فقیر عزیز الدین مقرر ہوئے تھے۔ اس کے بعد سمت ۱۸۸۸ مطابق سنہ ۱۸۳۱ء میں جب **لارڈ بنٹنگ** صاحب بہادر اُس زمانہ کے گورنر جنرل ہند کے ساتھ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنے چند نامی سردارون کو نواب گورنر جنرل موصوف کے پاس ابتدائی ملاقات کے لئے بھیجا۔ اُن میں سے ایک سردار مہاراجہ گلاب سنگھ بہادر تھے ÷ پھر **لارڈ بنٹنگ** موصوف کے ایام قیام اور رسم مہمانداری ادا کرنیکی حالتمیں جب لارڈ ممدوح کو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سکھ سردارون کے جنگی کرتب دکھلائے۔ جن کی تعریف انگریزی افسرون نے بہت کی تھی۔ اس قسم کے کرتب کرنے والون میں سے پہلا کرتب راجہ دھیان سنگھ نے دکھایا تھا۔ جو عمدگی کے ساتھ مسلح ہوکر پوری آن بان کے ساتھ اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر میدان میں نکلے۔ اس کے بعد پہلے مہاراجہ گلاب سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ یکے بعد دیگرے پوری شان وشوکت کے ساتھ آئے اور اُن کے پیچھے اور تین سردارون کی سواریان آئیں۔

سمت ۱۸۷۷ مطابق سنہ ۱۸۳۴ء میں مہاراجہ گلاب سنگھ کو پشاور کا صوبہ ملا۔ مگر وہان وہ بیمار ہوگئے۔ بوجہ جس کے ایک ماہ کی حکومت کے بعد وہ ضلع ہزارا کو تبدیل ہوئے۔ جہان لون میانی اور رتہاس کا علاقہ اُن کو اجارہ پر ملا۔

سمت ۱۸۹۴ مطابق سنہ ۱۸۳۷ء میں جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پوتے کنور نونہال سنگھ کی شادی ہوئی۔ تو راجہ دھیان سنگھ نے سوا لاکھ روپیہ اور مہاراجہ

گلاب سنگھ اور سوچیت سنگھ نے ایک ایک لاکھ روپیہ بطور تنبول کے پیش کیا + مختصر بات یہ ہے۔ کہ یہ تینون بھائی صرف لاہور دربار کے اول درجہ کے سردار ہی نہیں تھے۔ بلکہ ان پر پیرانہ سال شیر پنجاب کی اسقدر مہربانی اور اعتبار تھا۔ کہ جو یہ چاہتے تھے۔ اُس سے کرا لیتے تھے ٭

مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اُس کے بیٹے کھڑک سنگھ کی وفات کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ نے ان کی برنجی مورتیان بنوا کر اُن کو اپنی پرستش گاہ میں اور ٹھاکرون کے ساتھ شامل کر دیا۔ اور مرتے دم تک اُن کی پوجا مثل دیوتاؤن کے کرتا تھا۔

متعصب مورخون کا تو یہ خیال ہے۔ کہ مہاراجہ گلاب سنگھ اپنے آقاؤن اور بادشاہون کی مورتیون کی پوجا۔ جن کی مہربانیون اور قدردانی سے اُنہون نے یہ عروج حاصل کیا تھا۔ صرف ظاہرداری۔ چالبازی اور حکمت عملی سے کرتے تھے۔ لیکن میری دانست میں مہاراجہ گلاب سنگھ کی یہ حرکت کسی چالبازی یا ظاہرداری پر مبنی نہیں تھی۔ بلکہ باظہار اپنی شکرگذاری اور احسانمندی کے جسکا ادا کرنا ہر ایک سچے ہندو کا فرض ہے۔ اور خصوصاً مہاراجہ گلاب سنگھ جیسے مشہور و معروف دہرم آتما شخص کا اس قسم کا عقیدہ رکھنا کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ کیونکہ سوام بھگتی یا سوامی کی بھگتی کرنا جسکو دوسرے لفظون میں ہم آقاپرستی کہہ سکتے ہیں۔ سچے ہندوؤنکا ایک اعلیٰ قسم کا مذہبی فرض ہے +

مہاراجہ رنجیت سنگھ کا عروج اُسکے بیٹے۔ پوتے اور بہو کا خاتمہ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی نمک حلالی

اس بات کو واضح طور پر ظاہر کرنے کے لئے کہ لاہور میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے دو بھائیون اور بیٹون کے تباہ ہونے کا کیا باعث ہوا۔ وہ خود کسطرح بچا اور اُس نے موجودہ ریاست جمون و کشمیر کی بنیاد کسطرح ڈالی۔ یہان مہاراجہ

رنجیت سنگھ کی سلطنت کے عروج و زوال کا مختصر سا حال بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سلطنت اور خاندان کا مورث اعلیٰ اُسکا دادا سردار چڑہت سنگھ تھا۔ سوکھرچکیا مثل اسی سردار نے قایم کی تھی۔ جس کی وفات کے بعد اُس کے بیٹے مہا سنگھ نے اس مثل کے ساتھ قصبہ رام نگر کو بھی ملحق کیا + اور جمون کی لوٹ مار سے بھی اس مثل کو دولتمند بنا دیا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ سردار مہا سنگھ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اور جسوقت سردار مہا سنگھ ۱۷۹۲ء میں فوت ہوا۔ اُس وقت رنجیت سنگھ کی عمر جو کہ ۱۷۸۰ء میں پیدا ہوا تھا۔ صرف ۱۲ برس کی تھی +

سردار مہا سنگھ کی موت کے بعد سوکھرچکیا مثل کی حکومت مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام سے اُس کی والدہ جسکا نام ملوائین تھا کرنے لگی۔ اور سدا کور جو مہاراجہ موصوف کی ساس تھی۔ وہ بھی اس حکومت میں ہاتھ بٹاتی تھی +

۱۷۹۷ء میں جبکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ ۱۷ برس کا ہو گیا۔ اُس نے اپنی مثل کی حکومت اپنے ہاتھ میں لیلی۔ پہلا کام اُس کی حکومت کا یہ تھا۔ کہ ایک دن صبح دم اُس نے اپنی ماں کو جسکو وہ بدچلن خیال کرتا تھا۔ قتل کر ڈالا۔ لیکن لایق مصر جسکو وہ اپنی والدہ کا آشنا خیال کرتا تھا۔ اوس وقت تو بھاگ نکلا۔ البتہ عرصہ قلیل میں ہی سدا کور کی مدد سے گرفتار ہو کر ملک عدم میں پھینکا گیا +

رنجیت سنگھ ایک انپڑھ شخص تھا۔ لیکن بوجہ اس کے کہ اُسکو شکار کھیلنے کا بہت شوق تھا۔ شہسواری اور تلوار چلانے میں اوس کا جوڑا کوئی بھی نہ تھا۔

رنجیت سنگھ ایک ایسے وقت میں پیدا ہوا تھا۔ جبکہ ملک میں سخت ہل چل ہو رہی تھی۔ یہ احمد شاہ ابدالی کے آٹھوین حملہ کا وقت تھا۔ جو اُس نے ۱۷۶۷ء میں کیا تھا۔ اس حملہ کے بعد راولپنڈی اور دریائے جمنا کے مابین جس قدر ملک ہے۔ اُس کی حکومت سکھون کے ہاتھ آ گئی۔ جنہون نے پنجاب میں اپنی

بارہ مثلین قایم کرلین۔

سنہ ۱۷۹۸ع مین جونہی شاہزمان جس نے ایک لشکر عظیم کے ساتھ ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ لوٹ مچاتا ہوا کابل کو لوٹا۔ تو مہاراجہ رنجیت سنگھ معہ دیگر سکھ سرداران کے گردونواح کے پہاڑون مین پناہ گزین ہوئے تھے۔ واپس آگیا اور اپنے مثل مین داخل ہوتے ہی اُس نے دریائے جہلم مین سے شاہزمان کی چند توپین جو اُس کی واپسی کے وقت دریا مین گر پڑی تھین۔ نکلوا کر شاہ موصوف کے پاس بھجوا دین اس خدمت کے صلہ مین شاہ زمان نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کا شکریہ ادا کیا۔ اور آیندہ کے واسطے اُس کا دوست بن گیا۔

اب مہاراجہ رنجیت سنگھ کو جب شاہزمان کا کچھہ بھی خوف نہ رہا۔ تو اپنی حکومت بڑھانی شروع کردی۔ بوجہ جس کے گردونواح کے سردارون نے کچھ تو خوف سے اور کچھہ رشک سے اُس کی قتل کا منصوبہ باندھا۔

اس منصوبہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک دن جب مہاراجہ رنجیت سنگھ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہا تھا۔ کہ اُس کا جانی دشمن حشمت خان جو کہ چھٹہ قوم کا سردار تھا یکایک ایک جھاڑی مین سے نکلکر اُس پر حملہ آور ہوا۔ لیکن جسکو خدا بچائے اُس کو کون مار سکتا ہے۔ حشمت خان کا یہ وار خالی گیا۔ خوش نصیب اور بہادر مہاراجہ رنجیت سنگھ کا بال بھی بیکا نہوا۔ تلوار کا جو وار اُس پر ہوا تھا۔ اُس سے صرف کسیقدر گھوڑے کی لگام کٹ گئی۔ جس پر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنا گھوڑا پھیر کر تلوار کا ایک ایسا ہاتھ صاف کیا۔ کہ دشمن وہان ہی اسپ زندگی سے گر کر چت ہو گیا۔

اس بہادری سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بڑی شہرت ہوئی۔ بلکہ یہی کارنامہ اُس کی آیندہ عظمت اور ترقی کا باعث ہوا۔ اُس دن سے اُس نے باتفاق سردار فتح سنگھ اہلووالیہ بانی ریاست کپورتھلہ اور سدا کور کے ہر طرف ملک گیری اختیار کی۔ اور گردونواح کے سردارون پر اپنا رعب قایم کرنا شروع کیا۔

سنہ ۱۸۰۰ء میں اُس نے لاہور سر کرایا۔ جس کو اُس نے اپنا صدر مقام بنا کر یہان اُس نے سنہ ۱۸۰۱ء میں راجگی کا خطاب حاصل کیا۔ اور اپنا سکہ چلایا +

اب اُس کے سردارون نے جن میں سے نہایت بہادر اور سورمے دیوان محکم چند۔ دیوان رام دیال۔ دیوان چند مصر۔ ہری سنگھ نلوا (جس کے نام سے پٹھانون کا پیشاب خطا ہوتا تھا) پھولا سنگھ اکالی۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ تھے۔ ہر طرف حملے کرنے شروع کر دیے۔ اور تھوڑے عرصہ میں ہی ایک طرف سے تو انہون نے ملتان اور کچھ حصہ سندہ کا فتح کر لیا۔ دوسری طرف سے پشاور اور قلعہ جمرود تک سر کر لیا تیسری طرف سے تبت خورد میں گھس کر تبت کلان پر قابض ہونے پر آمادہ ہوئے چوتھی طرف خود مہاراجہ رنجیت سنگھ دریائے ستلج کے پار چلا گیا۔ اور ملک گیری کرتا ہوا دو دفعہ پٹیالہ میں داخل ہوا۔ اور انبالہ کا بہت سا علاقہ بھی اپنی سلطنت میں ملا کر واپس لوٹا +

مختصر بات یہ ہے۔ کہ سنہ ۱۸۰۰ء سے سنہ ۱۸۲۶ء تک مشرق اور مغرب میں ستلج سے جمرود تک اور شمال سے جنوب میں لداخ اور سندہ تک تمام ملک اُس نے فتح کر لیا +

اب امیر کابل کا کسی کو خوف نہ تھا۔ بلکہ شیر پنجاب ہی سب جگہ عزت اور خوف کی نظر سے دیکھا جاتا تھا +

انگریزون نے سنہ ۱۸۰۶ء میں اس خوف سے کہ اہل فرانس ہندوستان پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ ایک عہد نامہ کیا۔

ستلج کے پار جسقدر والیان ملک تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام سے اس قدر کانپتے تھے۔ کہ دہلی میں انگریزون کا جو پولٹیکل ایجنٹ تھا۔ اوس سے انہون نے درخواست کی کہ سرکار انگریزی ان پر اپنی حمایت کا سایہ ڈالے۔

سنہ ۱۸۱۳ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کابل کے شجاع الملک سے کوہ نور ہیرا جو ایک تواریخی ہیرا تھا۔ چھین لیا +[1]

وہ یہان تک مشہور ہو گیا تھا۔ کہ سنہ ۱۸۲۰ء میں اُس کو زار روس کے ایک وزیر

---

[1] نوٹ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ہیرا کیرو اور پانڈون کے عہد کا تھا اور سری کرشن مہاراج کے زیر استعمال بھی رہا ہے

نے بھی جس کا نام پرنس سیلیڈ تھا۔ سلسلہ اتحاد قایم کرنے کے لئے ایک خط بھیجا اور اُس کے دربار میں نظام حیدر آباد۔ حکومت نیپال اور تبت کے لامہ گورو و دیگر والیان سند کے ایلچی رہتے تھے +

شیر پنجاب بجز انگریزی شمشیر کے جس نے ایک طرف تو اُس کو ستلج کے آگے اور دوسری طرف سندھ کی جانب بڑھنے سے روک رکھا تھا۔ اور کسی سے نہیں ڈرتا تھا رنجیت سنگھ کے پاس اسی ہزار قواعد دان ایسی عمدہ فوج تھی۔ جو کہ کسی اور ہندوستانی والئے ملک کے پاس نہیں تھی +

جو یوروپین جرنیل اُس کے ملازم تھے۔ انہوں نے لاہور میں سنتری خانے جاری کئے اور بٹالین قایم کر کے یورپ کی ساخت کے تمام اعلیٰ قسم کے جنگی ہتھیار مثل توپ اور بندوق کے تیار کرنے شروع کر دیے +

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی پہلی رانی کا نام مہتاب کور تھا۔ جو سردار گوربخش سنگھ والئے کنہیا مثل کی بیوہ مسماۃ سدا کور کی دختر تھی۔ مہتاب کور کے کوئی لڑکا بالا نہیں تھا۔ اس واسطے اُس کی والدہ سدا کور نے اُس کے واسطے سنہ ۱۸۰۷ء میں غلط لڑکے خریدے۔ جن کا نام اُس نے شیر سنگھ اور تارا سنگھ رکھا۔ شیر سنگھ دراصل ایک چھیبے کا لڑکا اور تارا سنگھ سدا کور کی ایک مسلمان داسی کا لڑکا تھا +

دوسری رانی کا نام راج کور تھا۔ جو نکائی مثل کے سردار کی بیٹی تھی۔ کھڑک سنگھ اسی رانی کا لڑکا تھا۔ جو سنہ ۱۸۰۳ء میں پیدا ہوا۔ کھڑک سنگھ کا بیاہ چند کور کے ساتھ ہوا تھا۔ جو رام گڈھیہ مثل کے سردار جیمل سنگھ کی دختر اور کنور نونہال سنگھ کی والدہ تھی

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی تیسری رانی جسکا نام دیا کور تھا۔ وہ بھی لاولد تھی۔ اس نے جموں کے ایک راجپوت کو خرید کر اس کا نام پشاورا سنگھ رکھا۔

مہاراجہ موصوف کی چوتھی رانی رتن کور کہلاتی تھی۔ یہ اصل میں مول سنگھ برجی والے کی عورت تھی۔ وہ جب مر گیا۔ تو صاحب سنگھ والی گجرات کی جورو بنی۔

جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کانگڑہ فتح کیا تو راجہ سنسار چند کی جو کہ کانگڑہ کا اخیر ہندو راجہ تھا ایک گدن آشنا عورت معہ دو لڑکیوں کے اوسکے قبضہ میں آئی اور گجرات کی فتح پر مہاراجہ رنجیت سنگھ

کے قبضہ میں آ کر ادسکورانی بنی۔ جس نے اُنکا حسن و جمال دیکھکر اُن کی والدہ کی درخواست پر پھیرا لگا کر بہ پابندی تمام مذہبی رسوم کے اُس کے ساتھ شادی کر لی۔ اخیر عورت مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ایک کنجری تھی۔ جو موران والی کنجری کے نام سے مشہور تھی۔ مہاراجہ مذکور اس طوایف کے ناز و ادا پر اس قدر فریفتہ ہوا۔ کہ آخر کار اُس کی خواہش ہوئی۔ کہ موران والی کنجری نے جس طرح سے اُس کے خانہ دل کو آباد کیا تھا۔ اسی طرح اپنی رہایش کا فخر اُس کے حرم سرا کو بھی بخشے۔ لیکن موران والی کنجری نے تب محلات شاہی میں قدم رکھا۔ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے قاضی کو بُلوا کر اس کے ساتھ اہل اسلام کی رسومات کے مطابق عقد نکاح پڑھا۔

محلات میں داخل ہونیکے ہی دیر تھی۔ کہ موران والی کنجری کا نام گلجان بیگم پڑا۔

رنجیت سنگھ ۵۹ برس کا ہو کر لاہور میں ۲۷۔ جون ۱۸۳۹ء کو مرا۔ اور مرنے سے پیشتر اُس نے راجہ دہیان سنگھ کو مدار المہام جزو کل بنا کر "نایب سلطنت عظمہ و خیر خواہ ضمیمہ دولت سرکار وزیر دستور مکرم مختار مدار المہام کل" کا خطاب بخشا۔

اپنی موت سے ایک برس پہلے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۸ ماگھ سمت ۱۸۹۵ کو شہزادہ کھڑک سنگھ کو بھی اپنے ہاتھ سے راج تلک لگایا۔ اور اس رسم کو بڑی دھوم دھام سے ادا کیا۔

مہاراجہ موصوف کی وفات کے بعد مہاراجہ کھڑک سنگھ تخت نشین ہوا۔ اور مدار المہامی کے عہدے پر راجہ دہیان سنگہ بدستور قایم رہا۔

اب سلطنت کا زوال شروع ہوا۔ مہاراجہ کھڑک سنگھ نے تخت پر رونق افروز ہوتے ہی راجہ دہیان سنگھ کو وزارت کے عہدے سے ہٹانے کی ٹھان لی تھی۔ جس کی وجہ اغلباً یہ تھی۔ کہ سکھ لوگ اپنی سلطنت میں تمام ذمہ واری کے عہدو نکو اپنی قوم کے قبضہ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ اور ڈوگرون کی طاقت کو توڑنے کی فکر میں تھے۔ جو کہ ایک سخت نادانی تھی کیونکہ ڈوگرے اتنے بڑے ہوئے تھے۔ کہ سوائے سلطنت کی بربادی کے اُن کا برباد کرنا آسان نہ تھا۔

مختصر یہ ہے۔ کہ راجہ دہیان سنگھ کے مقابلہ میں مہاراجہ کھڑک سنگھ نے سردار چیت سنگھ کو کھڑا کیا۔ جس کا زور اس قدر بڑہا۔ کہ راجہ دہیان سنگھ کے برخلاف اوس نے ایک سازش قایم کر کے راجہ موصوف کی مخالفت اور بیخکنی پر اُتر آیا۔ آخر کار یہ راز ظاہر ہوا۔ اور اب نفاق کی چنگباری علانیہ طور پر سب کو نظر آنے لگی۔ اور نوبت یہان تک پہونچی۔ کہ راجہ دہیان سنگھ نے بھی مایوسی کی حالت میں مہاراجہ کھڑک سنگھ کو تخت سے اُتارنے کی ٹھانی اور اُس کے برخلاف بہت سی غلط افواہین اُڑا کر اور ہر طرح سے اُس کو بدنام کر کے اُس کے بیٹے نونہال سنگھ کے ساتھ سانٹھ گانٹھ کیا۔ جو پہلے سے ہی اپنے باپ سے کشیدہ خاطر تھا۔

اب معاملہ یہان تک بگڑا۔ کہ ایک دن راجہ دہیان سنگھ نے مع اپنے دو بھائیون اور سرداران سندھانوالہ کے قلعہ پر (جو کہ مہاراجہ کھڑک سنگھ کی جائے رہایش تھی) چڑہائی کر دی۔ حملہ آور ٹولی بخوبی مسلح تھی۔ اور سب کے ہاتھون مین ننگی تلوارین تہین۔ اور سب کا ارادہ یہ تھا۔ کہ سردار چیت سنگھ کو مارے بغیر واپس نہ آینگے۔ قلعہ کے دروازہ پر اس انتقام پسند ٹولی کا مقابلہ دربانون نے کیا۔ لیکن وہ سب مارے گئے۔ اور حملہ آور قلعہ مین داخل ہو گئے۔ یہان سب سے پہلے مہاراجہ کا گڈوبیہ مارا گیا۔ جس کے بعد سب کے چھکے چھوٹ گئے اور مقابلہ کرنیوالا کوئی بھی نہ رہا۔ اب خشم آلودہ جماعت نے روک ٹوک بدنصیب مہاراجہ کے کمرے مین جا گہسی۔ اور یہان چیت سنگھ کی جو کہ خوف کے مارے ایک اندھیرے کونے مین ایک چٹائی مین جا چھپا تھا۔ تلاش شروع ہوئی۔

جب چیت سنگھ پکڑا گیا۔ تو اپنی خطرناک حالت دیکھکر سخت رو دیا۔ ہاتھ جوڑ جوڑ کر سب سے جان بخشی کا خواہان ہوا۔ لیکن راجہ دہیان سنگھ کو یہ کب منظور تھا۔ کہ اُس کا دشمن جانبر ہو جائے۔ بلکہ اُس کو تسکین تبہ ہوئی۔ کہ جب اُس نے اجل رسیدہ سردار کا پیٹ اپنی تلوار سے خاص اپنے ہاتھ سے چاک کیا۔

اس موقعہ پر مہاراجہ کھڑک سنگھ بھی مارا جاتا۔ لیکن اُس کو اس کی رانی اور لڑکے

نے بچا لیا۔ تاہم وہان سے نکالکر وہ ایک اور مکان میں نظر بند رکھا گیا۔ جہان تین ماہ کی مختصر جیسی حکومت کے بعد وہ ۵ نومبر سنہ ۱۸۴۰ء کو کمال مصیبت کے ساتھ اپنے جسم عنصری کی قید سے آزاد ہوا۔ اور عام خیال یہ ہے۔ کہ اُس کو رسکپور کی زہریلی گولیان دی گئی تھیں۔ اور آہستہ آہستہ وہ ہی گولیان اُسکی موت کا باعث ہوئین مہاراجہ کھڑک سنگھ دو دفعہ افیون کہاتے اور بہت سست الوجود تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مرتی دفعہ انہون نے کنور نونہال سنگھ کو بددعا دی تھی۔ کہ تم نے تخت حاصل کرنے کے واسطے میرے برخلاف سازش کی ہے۔ لیکن میرے بعد تم بھی نہ بچو گے اور آخر کو ایسا ہی ہوا۔

مہاراجہ کھڑک سنگھ کو داہ دینے سے جب نونہال سنگھ فارغ ہوا۔ تو معہ میان اودھم سنگھ کے جو مہاراجہ گلاب سنگھ کا بڑا بیٹا تھا۔ ہاتھی پر سوار ہو کر قلعہ کو لوٹا۔ جہان کہ اُس کا محل تھا۔ لیکن باپ کے بعد وہ بھی نہ بچ سکا۔

ہاتھی کے حضوری باغ والے دروازہ میں داخل ہونیکی ہی دیر تھی۔ کہ دروازہ کی عمارت کا کچھ حصہ اوپر سے دونون فیل سوارون کے سر پر دفعتاً گر پڑا۔ جس کے صدمے سے اودہم سنگھ تو فوراً مر گیا۔ لیکن نونہال سنگھ بیہوش ہو گیا۔ جس پر راجہ دہیان سنگھ اُس کو ایک پالکی میں ڈالکر محلات میں پھونچا۔ اور ایک ایسے کمرے میں جا رکھا۔ کہ جہان اُس نے جب تک کہ نونہال سنگھ مر نہ گیا۔ کسی سردار یا اہلکار کو نہ آنے دیا۔ حتے کہ اُس کی والدہ چند کور اور اُسکی رانی کو بھی جیتے جی اُس کے درشن نہو سکے البتہ اُس کی موت اُس وقت ظاہر کی گئی۔ جبکہ مہاراجہ شیر سنگھ رانی چند کور کی تخت نشینی کی مخالفت کے لئے دفعتاً لاہور میں داخل ہوا۔ کہا جاتا ہے۔ کہ کنور نونہال سنگھ بہت چست و چالاک تھا۔ اور اس میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے تمام اوصاف موجود تھے۔

کنور نونہال سنگھ کی موت جس غرض سے چھپائی گئی تھی۔ اور جس ارادہ سے شیر سنگھ لاہور میں داخل ہوا تھا۔ رانی چند کور ان باتون کا مطلب فوراً تاڑ گئی۔

بوجہ جس کے اُس نے ادہر تو مشہور کیا۔ کہ نونہال سنگھ کی رانی حاملہ ہے۔ اور اودھر اپنے فرضی پیدا ہونے والے پوتے کی ولیہ بن کر اُس نے اہلکارون کی ایک کونسل مقرر کردی۔ اور اسی کونسل کے زیر مشورہ ملک کی حکومت کرنے لگی۔

رانی چندکور نے جو وزیرون کی مجلس قایم کی تھی۔ اُس کے حسب ذیل چار ممبر تھے مہاراجہ گلاب سنگھ۔ سردار لہنا سنگھ۔ سندہانوالہ سردار تیجا سنگھ اور جمعدار خوشحال سنگھ۔ میر مجلس ان چارون وزیرون کا اُس نے سردار عطر سنگھ سندہانوالہ کو بنایا۔ گویا دوسرے لفظون میں بجائے راجہ دہیان سنگھ کے سردار عطر سنگھ وزیر اعظم مقرر ہوا۔

جب راجہ دہیان سنگھ نے ایسی مخالف ہوا چلتی دیکھی اور شیر سنگھ کو ایسے وقت مین علانیہ طور پر تخت نشین کرانا مشکل پایا۔ تو چند یوم کے واسطے جمون چلا گیا۔ اور وہان سے شیر سنگھ کی مدد خفیہ طور پر کرتا رہا۔ اب نوبت یہان تک پہونچی۔ کہ شیر سنگھ نے دہیان سنگھ کو اپنا ممد پاکر فوج کو رشوت دیدی۔ اور ستر ہزار لشکر کو اپنے ساتھ ملا لیا۔

یہ فوج شیر سنگھ کی یہان تک طرفدار ہو گئی۔ کہ آخرکار انہون نے اُس کو اپنا آیندہ فرمانروا اقرار دیکر توپون کی شلک سے اس کی سلامی کی۔

توپون کے چلنے سے خلقت یہ معلوم کر کے کہ اونکا آیندہ بادشاہ شیر سنگھ قرار پا گیا ہے۔ دم بخود رہ گئی۔

اب جنگ کے سامان پیدا ہو گئے۔ شیر سنگھ نے تخت پر بیٹھتے ہی شہر اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔

چندکور نے سندہانوالہ کی قلیل فوج اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے ڈوگرون کو مقابلہ کے لئے پہلے سے ہی آمادہ کر رکہا تھا۔

اور اس مختصر جمعیت برائے نام فوج مین چونکہ زیادہ تر ڈوگرے ہی تھے اس لئے چندکور نے اس جنگ کا اہتمام مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہی سپرد کیا۔

جنگ کی ابتدا شیر سنگھ نے کی۔ جو خود اپنی فوج کی کمان کر رہا تھا۔ اُس نے پانچرو
تک متواتر قلعہ پر حملے کیے۔ لیکن ہر ایک دفعہ بھاری نقصان اوٹھاکر پسپا ہوا۔
ڈوگرون نے قلعہ سے توپون کے وہ نشانے تاک تاک کر مارے۔ کہ حملہ آور
سکھون کے چھکے چھوٹ گئے۔ حتی کہ اُنھون نے شہر کی عورتون کو پکڑکر اپنے
آگے کھڑا کرنا شروع کیا۔ تاکہ توپ کے گولون سے وہ خود بچ رہیں۔ اور
عورتیں ماری جائیں۔ لیکن ڈوگرہ بہادرون نے کمال شایستگی کا ثبوت دیا۔
وہ نشانہ لگاتے وقت عورتون کو خصوصیت کے ساتھ بچا جاتے تھے۔ اس
پانچ دن کے جنگ میں شیر سنگھ کے سات ہزار آدمی مارے گئے۔

یون تو مہاراجہ گلاب سنگھ نے نیت کر لی تھی۔ کہ جیتے جی لاہور کا قلعہ شیر سنگھ کے حوالہ نکیا جائیگا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دل سے وہ جانتا تھا۔ کہ اُس کے پاس فوج بہت تھوڑی ہے۔ اس واسطے اُس نے راجہ دہیان سنگھ کے ساتھ خط و کتابت شروع کر کے اُس کو تنازعہ کے تصفیہ کرنیکا پیغام بھیجا۔ جو ایک مہینے کی غیر حاضری کے بعد جنگ کے چھٹے روز لاہور میں پہونچا۔ اور اوس کے حکم سے جنگ ملتوی رکھا گیا۔ جس کا آخری نتیجہ یہ نکلا۔ کہ چند کور کو جمون کے متصل نو لاکھ روپیہ کی جاگیر ملی۔ اور شیر سنگھ تخت پر بیٹھا۔

اس فیصلہ کے بعد رانی چند کور نے اپنی تمام جایداد منقولہ اور دولت قلعہ لاہور سے نکالکر اپنی نئی جاگیر میں بھیجنی شروع کی۔

اور یہ کام بھی اُس نے مہاراجہ گلاب سنگھ کے سپرد کیا۔ جس کی نمک حلالی تدبیر اور دلیرانہ مقابلہ سے اُس کی عزت بچی۔ اور اُس کو نئی جاگیر ملی تھی۔

تفصیل اوس مال اور اسباب کی جو رانی چند کور نے مہاراجہ موصوف کے سپرد کی تھی حسب ذیل تھی۔

(اول) پانسو تھیلیان طلای تنکیون کی۔ (دوئم) سولہ گاڑیان روپیون کی (سوئم) بیشمار زیور اور قیمتی جواہرات۔ (چہارم) لاکھون روپیون کا پشمینہ۔

یہ نئی جاگیر جبال میں تھی - جہان جموان سے ہو کر جانیکا راستہ بھی نزدیک تہا - اسواسطے مہاراجہ گلاب سنگھ بہ تمام دولت لیکر جمون میں پہونچا - لیکن روانگی سے بیشتر وہ مہاراجہ شیر سنگھ کے پاس رخصت لینے گیا - جہان حاضر ہو کر اُس نے کہا - کہ چند کور اُس کے آقا کی جس کا نمک کہ وہ بچپن سے کہا رہا تھا - بہو تہی - اس واسطے جو مقابلہ اُس نے چند کور کی عزت بچانے میں کیا ہے - ایسا مقابلہ کرنا اُس کا فرض تھا - اور نمک حلالی میں داخل تھا - پس اُس کو امید ہے - کہ اُس کی اس قسم کی حرکت کے لئے وہ معذور سمجھا جائیگا -

مہاراجہ گلاب سنگھ کی روانگی کے بعد شیر سنگھ نے چند کور پر چادر ڈالنی چاہئی - لیکن چند کور نے جو جانتی تھی - کہ شیر سنگھ ایک چہینے کا لڑکا ہے - اس شادی سے نہایت لاپرواہی کے ساتھ بدین الفاظ انکار کیا - کہ "جیمل سنگھ کی لڑکی چہینے کی جورو نہیں بن سکتی" - چند کور کی اس بولی نے شیر سنگھ کو سخت برگشتہ کیا - حتےٰ کہ وہ اوس کی جان کا لاگو ہو گیا - جس کا نتیجہ یہ نکلا - کہ ایک دن جبکہ چند کور اپنا سر گندہوانے لگی - تو شیر سنگھ کی سازش سے ایک گولی اُس کے سر میں کنگھی کرنے لگی - اور دوسری گولی نے پیچھے سے ایسے زور سے ایک پتھر مارا - کہ اُس کا سر پہٹ گیا - اور وہ بیچاری وہان ہی چت ہو گئی -

جب اس قتل کی خبر راجہ دہیان سنگھ کو ہوئی - اُس نے قاتلہ گولی کو پکڑ منگوایا - اور جرم کی تحقیقات شروع کی - لیکن گولی مذکور نے اپنی بیگناہی بدین الفاظ ظاہر کی - اس جرم کا ارتکاب آپ کے اور مہاراجہ شیر سنگھ کے حکم کی تعمیل میں ہوا ہے - مگر یہ صفائی منظور نہیں ہوئی - اوس کا ناک اور دونون کان کٹوائے جا کر وہ دریائے راوی کے پار کر دی گئی - اور ایک مہاراجہ کی بہو اور دوسرے مہاراجہ کی مہارانی اور تیسری مہاراجہ کی والدہ کے خون کا انتقام اس طرح لیا گیا -

مہاراجہ شیر سنگھ۔ اُس کے شہزادے اور راجہ دہیان سنگھ کی قتل

اب شہر لاہور ایک بوچرخانہ بن جاتا ہے۔ اور دفعتاً اُس قسم کے بوچر پیدا ہو جاتے ہیں کہ جن کی تیز چھری سے نہ کوئی بادشاہ اور نہ کوئی وزیر محفوظ رہ سکتا ہے۔ اور یہہ انسانون کے قصاب اب ایسے فساد کرتے ہیں۔ کہ جن کی نظیر دنیا میں کہیں بھی نہیں مل سکتی۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دو گرو تھے۔ جن میں سے ایک کا نام بھائی رام سنگھ اور دوسرے کا نام بھائی گورکھ سنگھ تھا۔ نصف سکھ ایک گرو کے اور نصف سکھ دوسرے گرو کے سیوک اور مقلد تھے۔ لیکن کُل سکھہ دونون گروون کی برابر تعظیم کرتی تھی۔

ان میں سے بھائی گورکھ سنگھ کی راجہ دہیان سنگھ کے ساتھ مخالفت اور بھائی رام سنگھ کی موافقت تھی۔ اب لاہور دربار کے سردارون کی کیفیت بھی سنئے۔ سندھانوالہ سردار جو کہ سب سردارون میں سے زیادہ رسوخ اور عزت والے تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ہم جدیون میں شامل تھے۔ ان کا اقتدار اس قدر بڑھا ہوا تھا۔ کہ انہون نے شیر سنگھ کو غاصب قرار دیکر اُس کی تخت نشینی سے علانیہ طور پر انکار کیا۔ حتی کہ وہ مغلوب بھی ہوئے۔ اور اُن کی تمام جاگیرین بھی ضبط ہو گئین جس کے بعد انہون نے معافی حاصل کرنے کے لئے بہت کوشش کی۔ لیکن کوئی تدبیر کارگر نہوئی۔ آخرکار انہون نے بھائی رام سنگھ کو اپنا وسیلہ بنایا۔ اور اس کی سفارش سے راجہ دہیان سنگھ نے اونکی خطا بھی معاف کرا دی۔ اور جاگیرین بھی واگذار کرا دین۔ رفتہ رفتہ سردار لہنا سنگھ سندھانوالیا اور سردار اجیت سنگھ سندھانوالہ نے وہ رسائی حاصل کی۔ کہ دونون سردار مہاراجہ شیر سنگھ کی مونچھ کے بال بنگئے۔ اور دونون کو اُس کے ساتھ تخلیہ کرنے کا فخر بھی حاصل ہوا۔ جب انہون نے ایسا قرب حاصل کیا۔ تو اب اُنکو راجہ دہیان سنگھ

کے اُکھاڑ مارنے کی سوجھی۔ بوجہ جس کے اُنھون نے مہاراجہ شیر سنگھ کے کان یہانتک بھرے کہ آخرکار وہ راجہ مذکور کے برخلاف ہوگیا۔ اور اُس کو نظر حقارت سے دیکھنے لگا۔ راجہ دہیان سنگھ کو یہ امید نہ تھی۔ کہ مہاراجہ شیر سنگھ اور دونون سردار اُس کے احسانات کو بھول جاینگے۔ اس کو اس بات کا سخت افسوس ہوا۔ اور وہ بھی انتقام گیری پر اُتر آیا۔ چنانچہ بمقابلہ مہاراجہ شیر سنگھ کے مہاراجہ دلیپ سنگھ کی جو اُن دنون صرف ۵ برس کا تھا۔ ایسی تعظیم وتکریم کرنے لگا۔ گویا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے تخت کا وہی وارث اور مستحق تھا۔

اب نفاق کی آگ بخوبی سلگ اُٹھی۔ اور اس کے شعلے یہانتک بلند ہوئے۔ کہ آخرکار مہاراجہ شیر سنگھ نے سندھانوالیہ سردارون کو راجہ دہیان سنگھ کے قتل کرنے کا حکم لکھدیا۔

لیکن سرداران مذکور صرف راجہ دہیان سنگھ کے ہی خون کے پیاسے نہیں تھے۔ وہ جسطرح سے راجہ دہیان سنگھ کو عہدہ وزارت کا غاصب سمجھتے تھے۔ اور جانتے تھے کہ اُس کی موجودگی میں وہ وزیر نہیں بن سکینگے۔ اوسیطرح سے مہاراجہ شیر سنگھ کو بھی تخت لاہور کا غاصب خیال کرتے تھے۔

اس لئے راجہ دہیان سنگھ کی قتل کا جو ارشاد مہاراجہ شیر سنگھ نے اُن کو لکھدیا تھا۔ وہ جاکر اُنھون نے راجہ دہیان سنگھ کو دکھایا۔ اور اس کو طیش دلوا کر اوس سے مہاراجہ شیر سنگھ کے قتل کی اجازت لیلی۔

اس کے بعد دونون سردار پھر شیر سنگھ کے پاس پہونچے۔ اُس کو یہ پٹی پڑہائی۔ کہ اجازت ہو تو وہ اپنی جاگیر میں جاکر دہیان سنگھ کی قتل کا انتظام کرین۔ مہاراجہ شیر سنگھ نے اُن کی درخواست منظور کی۔ اور دونون سردار رخصت حاصل کرکے اپنی جاگیر کو چلے گئے۔ اب وہ مناسب موقعہ کا انتظار کرنے لگے۔ اتفاقاً ماگھ کی سنکرات آئی۔ اور اُس روز گرہن کا دن بھی تھا۔ دفترون میں چھٹی ہوگئی۔ مہاراجہ شیر سنگھ معہ اپنے بیٹے شہزادہ پرتاپ سنگھ کے شاہ بلاول کو چلا گیا جہان شہزادہ مذکور تو باغ میں داخل ہوکر دان پن کرنے لگا۔ اور مہاراجہ مذکور خود

بارہ دری میں بیٹھ کر کشتیان دیکھ دیکھ کر پہلوانون کو انعام تقسیم کرنے لگا۔ اتنے میں سردار اجیت سنگھ معہ اپنے جدید بالگیرون کے آپہونچا۔

اجیت سنگھ نے اپنے بالگیرون کو تو بارہ دری کے آگے کھڑا کر دیا۔ اور خود بے تحاشہ مہاراجہ کے پاس چلا گیا جو اُسوقت ایک آرام کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اجیت سنگھ نے جو کہ بخوبی مسلح تھا۔ جاتے ہی واہگورو جی کی فتح بولائی۔ اور ایک دونالی بندوق کی شست جو کہ بھری ہوئی تھی اجل رسیدہ مہاراجہ کی چھاتی کیطرف لگا کر بدین الفاظ آگے کو بڑہائی۔ کہ یہ بندوق میں نے سات سو روپیہ میں خریدی ہے۔ لیکن ایسی عمدہ ہے۔ کہ تین ہزار میں بھی نہیں بیچونگا۔

مہاراجہ نے بازو آگے کو بڑہایا کہ بندوق کو ہاتھ میں لیکر دیکھے۔ اتنے میں اجیت سنگھ نے گھوڑا دبا دیا۔ بندوق چلگئی۔ اور اُس کی دو گولیان مہاراجہ کی چھاتی میں لگ گین۔ اور وہ فوراً وہان ہی چت ہو گیا۔ مرتی دفعہ اُس کے مُنہ سے صرف یہی لفظ نکلا کہ۔ ایہہ کی دغا یعنے یہ کیا دغا کیا گیا ہے۔

شیر سنگھ کے قتل ہونے پر بارہ دری میں تلوار چل پڑی۔ بندوق کی آواز سنکر اوسکا ایک مصاحب جسکا نام بدھ سنگھ تھا۔ باہر سے اندر آیا۔ دروازہ پر اجیت سنگھ کے دو آدمی مزاحم ہوئے۔ اور مارے گئے۔ بدھ سنگھ نے اندر داخل ہو کر اجیت سنگھ کو بھی مار ڈالنا چاہا۔ لیکن اُس کی تلوار ٹوٹ گئی۔ جس پر یہ جوانمرد معہ تمام دیگر مصاحبان شیر سنگھ کے قتل ہو گیا۔

ادہر تو بارہ دری میں سردار اجیت سنگھ نے یہ کشت و خون کیا۔ اُدھر سردار لہنا سنگھ نے باغ میں پہونچکر بیچارے پرتاب سنگھ کو بھی قتل کر ڈالا

جس وقت پرتاب سنگھ مارا گیا تھا۔ اُس وقت اُس کی عمر صرف دس برس کی تھی اور باغ میں بیٹھا ہوا تولادان کر رہا تھا۔ اُس نے جب دور سے ہی دیکھا۔ کہ سردار لہنا سنگھ غضبناک حالت میں آنکھین سرخ کئے ہوئے اور ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے اُسکو قتل کرنے کے لئے آرہا ہے۔ تو وہ ڈر گیا۔ ہاتھ جوڑے اُس کے پانو پڑا۔ اور نہایت

عاجزی سے بولا کہ چچا جی مجھکو مت مارو میں تمہارے طویلے میں گھوڑون کی لید اُٹھا کر گذارہ کرون گا۔

لیکن سنگدل لہنا سنگھ پر اس بیگناہ معصوم بچے کی دردناک عاجزی نے کچھ اثر نہ کیا غصہ اور بھی تیز ہوا۔ اور بجواب بولا۔ کہ ایسے وقت میں چچا کون بنتا ہے۔ یہ کہا۔ اور اُس کا سر کاٹ کر بدن کے ٹکڑے کر ڈالے۔

جب مہاراجہ شیر سنگھ اور معصوم پرتاب سنگہ قتل ہو چکے۔ تو اجیت سنگہ سندہانوالہ معہ اپنے تین سو سوارون کے ان دونون مقتولون کے سر لیکر کمال بشاشت کے ساتھ لاہور کو روانہ ہوا۔

راستہ میں اُس کو راجہ دہیان سنگہ مل پڑا۔ جو پوجا کرنے کے بعد قلعہ سے ہوتا ہوا معہ چند سوارون کے اب شاہ بلاول کو جا رہا تھا۔

اجیت سنگہ نے اُس کو دیکھکر پہلے تو سلام کی۔ پھر دونون مقتولون کے سر دکھلائے لیکن پرتاب سنگہ کا سر دیکھکر راجہ دہیان سنگہ کو سخت افسوس ہوا۔ اور بیساختہ بول اُٹھا۔ کہ اس بیقصور بچے کو کیون مارا ہے۔

اجیت سنگہ نے بجواب کہا۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ جو ہونا تھا سو ہو گیا ہے۔ آب قلعہ میں چلو اور آئندہ انتظام سوچو۔

خطرناک سردار کی بیباکانہ باتین سُنکر راجہ دہیان سنگہ کا ماتہا ٹہنکا۔ اور گھبراہٹ کی حالت میں اوس نے اردلیون کیطرف نگہ ماری۔ قیاس غالب ہے کہ اگر اُس کے ساتھ کافی اردلی ہوتے۔ تو وہ اجیت سنگہ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیتا۔ لیکن مصلحتاً دلیری کر کے اوسکے ساتھ ہو لیا۔

قلعہ کے پہلے دروازہ میں سے گذر جانے تک خیریت رہی۔ لیکن جب دوسری ڈیوڑھی میں پہونچے۔ تو دہیان سنگہ کے آدمی روکے گئے۔ اور اجیت سنگہ کے آدمی کھُلّے بندون اندر چلے گئے۔ دوسری ڈیوڑھی میں سے گذر جانے کے بعد اجیت سنگہ نے راجہ دہیان سنگہ سے پوچھا۔ کہ اب

تخت نشین کون کیا جائیگا۔ راجہ دہیان سنگہ بولا۔ کہ حق ہمارا دلیپ سنگہ کا ہے۔ یہ سُن کر اجیت سنگہ نے طنزاً کہا۔ کہ اُس کے وزیر تو تم ہی ہوگے پھر اُس نے کہا۔ کہ ہم نے اپنی جان جوکہون میں ڈالکر جو خدمات انجام دی ہیں اُن کا صلہ ہم کو کیا ملیگا۔ راجہ دہیان سنگہ جو ایسے سوال جواب سُننے کا عادی نہیں تھا۔ رنجیدہ ہوکر اجیت سنگہ سے کنارہ کش ہوا۔

بھائی گورمکہہ سنگہ نے جو اس موقعہ پر ہمراہ تھا۔ سردار اجیت سنگہ سے کہا۔ باتین بنانے سے کیا فایدہ ہے۔ کچھ کر کے دکہاو۔ اور راجہ دہیان سنگہ کو زندہ مت چھوڑو۔ بہائی گورمکہہ سنگہ کے یہ کہنے کی ہی دیر تھی۔ کہ اجیت سنگہ نے اپنی فوج کیطرف انگلی کا اشارہ کیا۔ جس پر فتح خان ٹوانہ نے بندوق کا فیر کیا۔ جس کی گولی راجہ دہیان سنگہ کی پیٹھ سے پار ہوئی اور راجہ مذکور اپنے گہوڑے سے گر کر وہان ہی چت ہوگیا۔

ایک وفادار مسلمان اردلی جو باوجود تمام روک ٹوک اور سختیون کے یہان تک راجہ دہیان سنگہ کے کسطرح ساتھ آگیا تھا۔ اپنے آقا کی یہ حالت دیکھکر رہ نہ سکا۔ اور مقابلہ کرتے ہوئے وہ بھی مارا گیا۔ جس کے بعد مخالفین نے آقا اور اس جانباز نوکر کی لاشون کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ایک گڑہے میں پہینک دیا۔

تھوڑی دیر ہی کے بعد سردار لہنا سنگہ بھی قلعہ میں داخل ہوا۔ اور دہیان سنگہ کی ہلاکت کا حال سُنکر اجیت سنگہ پر سخت ناراض ہوا۔ اور دست تاسف ملکر بولا۔ کہ دہیان سنگہ کے مارنے میں بہت جلدی ہوئی ہے۔ اُس کو مار ڈالنا اور اوس کے دونون بہائیون اور بیٹے راجہ ہیرا سنگہ کو زندہ چھوڑنا اپنے آپکو موت کے مونہہ میں دہکیل دینے سے کم نہیں ہے۔ عقلمندی یہ تھی۔ کہ ان تینون بہائیون اور اوس کے بیٹے راجہ ہیرا سنگہ کو اکٹھے کر کے مار ڈالتے تاکہ نہ کوئی انتقام لینے والا پیچھے رہتا۔ اور نہ کسی کا خطرہ رہتا۔

سردار اجیت سنگھ اور لہنا سنگھ کا مارا جانا

راجہ دہیان سنگہ کے مارے جانے کے بعد اب سندہانوالہ سرداروں کو راجہ سوچیت سنگھ اور ہیرا سنگہ کے قتل کی سوجھی۔ کیونکہ اُن کو خوف ہوا۔ کہ یہہ دونون راجے اون کو زندہ نہ چھوڑینگے۔ بلکہ راجہ دہیان سنگہ کی انتقام گیری میں اون کی اینٹ کے ساتھ اینٹ بجا دینگے۔ ان دونون کے مارنے کی ترکیب سندہانوالہ سرداروں نے یہ نکالی۔ کہ سردار لال سنگہ جو راجہ دہیان سنگہ کا سبز کردہ اور پرورش یافتہ تھا۔ راجہ سوچیت سنگہ اور راجہ ہیرا سنگہ کے پاس راجہ دہیان سنگہ مقتول کی جانب سے ایک نہایت ضروری معاملہ میں مشورہ کرنیکے بہانہ اون کو اپنے ساتھ لانے کے لیے بھیجا گیا۔

یہ ممکن تھا کہ ہر دو راجگان سردار لال سنگہ کی زبانی مقتول راجہ دہیان سنگہ کا فرضی پیغام سنکر اُس کے جھانسے میں آجاتے لیکین اون کو یہ پہلے سے ہی سوجھی ہوئی تھی۔ کہ مہاراجہ شیر سنگہ کی ہلاکت رنگ لائے بغیر نہ رہیگی۔ اور اوسکا دہوکہ بازی کے ساتھ اسطرح مارا جانا راجہ دہیان سنگہ اور سندہانوالہ سرداروں میں ضرور کوئی فساد پیدا کریگا۔

بلکہ اسی دور اندیشی سے ہر دو راجگان میں سے کوئی بھی مقتول راجہ کے ساتھ شاہ بلاول کو نہیں گیا تھا۔ اس لئے سردار لال سنگہ کا پیغام سن کر انہون نے مقتول راجہ کا تحریری حکم مانگا۔ اتنے میں دہیان سنگہ کی قتل کا معاملہ طشت از بام ہو گیا۔ جس کو سن کر راجہ ہیرا سنگہ دریائے رنج و غم میں مبتلا ہو کر رونے پیٹنے لگا۔ لیکن رائے کیسری سنگہ کے سمجھانے پر ماتم داری کو بالائے طاق رکھکر انتقام گیری پر آمادہ ہوا۔

اور کمال حوصلے کے ساتھ فوج کو جمع کر کے سرداران فوج کے اجلاس میں

نہایت سنجیدگی کے ساتھ حاضر ہوکر کمر سے ڈھال اور تلوار کھولکر اُن کے آگے رکھدی۔ اور بدین الفاظ اُن سے مخاطب ہوا۔ کہ سندھانوالے سردار نمکحرام ہوگئے ہیں۔ ان نمکحرامون نے سرکشی کرکے پہلے ہمارے بادشاہ کو کمال سنگدلی کے ساتھ قتل کیا۔ پھر اِوس کے بیگناہ بیٹے کو بھی بیرحمی سے مارڈالا اب ان ظالمون نے اُس کے وزیر کا بھی خون کرڈالا ہے۔

ان نمک حرامون نے بہت برا کیا۔ کہ پایہ تخت لاہور میں تلوار چلاکر خالصہ سلطنت میں پھوٹ کا بیج بیکر اِنتظام کو درہم برہم کرنا شروع کردیا ہے۔ وجہ ان تمام خونریزیون کی یہ ہے کہ سندھانوالے سردار نمکحرام ہوکر انگریزون کے ساتھ جاملے ہیں اور اب قوم اور ملک کو ذلیل بدنام اور تباہ کرنا چاہتے ہیں۔

اگر ان مکارون کا قرار واقعی تدارک نکیا جاویگا تو خالصہ قوم کو ملازمت کہیں بھی نملیگی۔ اور سکھون کی روٹی کا مدار صرف قلعہ رانی پر رہ جائیگا۔

تقریر کے خاتمہ پر راجہ ہیرا سنگھ نے کہا۔ کہ سکھ بھائیو۔ راجہ دھیان سنگھ جیسا میرا باپ تھا۔ ویسا ہی تم لوگون کا بھی باپ تھا۔ وہ مجھکو اور تم لوگون کو ایک ہی نظر سے دیکھتا تھا۔ بلکہ تم لوگون پر جسقدر مہربان تھا۔ وہ محتاج بیان نہیں تم لوگون کی موجودگی میں اوس کا اس طرح مارا جانا سخت مصیبت ہے۔ اُس کی موت کا بدلا لینا لازمی ہے۔ اس خدمت کے صلہ میں پیدل فوج کی طلب فی پیادہ بارہ روپیہ کے حساب سے اور سوارون کی طلب فی سوار تیس روپیہ ماہوار کے حساب سے دی جائیگی۔ راجہ ہیرا سنگھ کی یہ جادو بھری تقریر نہایت موزون معنی خیز بِاموقعہ اور جوش پیدا کرنے والی تھی۔ ترقی کا وعدہ سنکر سکھ لوگ جامہ میں پھولے نہ سمائے۔ اور تمام فوج میں انتقام گیری کا ایسا جوش پیدا ہوا۔ کہ سندھانوالہ سردارون پر اسیوقت حملہ کی تیاری ہوگئی۔ حالانکہ راجہ ہیرا سنگھ ایسے اندھا دھند حملے کے بالکل برخلاف تھا اور چاہتا تھا۔ کہ سرکش سردارون کو کسی سنجیدہ طریقہ کے ساتھ گوشمالی دی جائے۔ لیکن صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقارہ خا

میں فوجی سکھوں نے راجہ ہیرا سنگہ کی ایک بھی نہ سُنی۔ اور غروب آفتاب کیوقت سو توپوں کے ساتھ قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ رات بہر ہر دو طرفسے توپ چلتی رہی۔

صبح ہوتے ہی راجہ ہیرا سنگہ نے وعدہ کیا کہ اگر اس وقت قلعہ کی دیوار توڑکر اندر جانے کا راستہ بن جائے۔ تو معقول انعام بھی دیا جائیگا۔ اور قلعہ کی لوٹی میں جو نقد و جنس ہاتھ آگئی۔ وہ بھی آپ لوگوں کا ہی مال تصوّر ہوگا۔ بس پھر کیا تھا۔ توپچیون نے قلعہ کی دیوار کا ایک موقعہ تاڑ کر تاک تاک کر وہ توپین لگائین۔ کہ آخر کار دیوار پھٹ گئی اور اندر جانے کا ایک خاصہ دریچہ بن گیا۔

ادہر رائے کیسری سنگہ بھی سیڑہیاں لگاکر قلعہ کی دیواروں پر سوار ہوگیا۔ اور جو آگے آیا۔ اوسکو تلوار کی گھاٹ اُتارا۔ اس طرح سے قلعہ دیکھتے دیکھتے ہی سر ہوگیا۔ اور اجیت سنگہ معہ ایک مصاحب کے جسکا نام گھسیٹا مہر تھا۔ قلعہ پر سے کودتا ہوا گرفتار ہوا۔

گرفتار کنندہ ایک مسلمان سپاہی تھا۔ اجیت سنگہ نے اپنے سونے کے کڑے اوسکو رشوت میں دے۔ لیکن اس وفادار اور سیر چشم سپاہی نے اس بیش بہا رشوت کو نامنظور کرکے فوراً اُس کا سر کاٹ لیا۔ اور راجہ ہیرا سنگھ کے آگے جادہرا۔ راجہ ہیرا سنگھ مہاراجہ شیر سنگھ اور اپنے باپ کے قاتل کا سر اپنے پانو میں پڑا ہوا دیکھکر بہت خوش ہوا۔ جس کے صلہ میں اس قاتل کا قاتل سپاہی انعام و اکرام میں غرق ہوگیا۔ اور ہیرا سنگھ نے اس سر کو اُٹھاکر اپنی سوتیلی والدہ کے آگے رکھا۔ جس سے اُس کے خشم ناک اور غم آلودہ دل کو اس قدر شانتی ہوئی۔ کہ راجہ دہیان سنگہ کی کلغی جو اوسکے پاس تھی۔ اوس نے . . اپنے ہاتھ سے راجہ ہیرا سنگھ کے سر پر لگائی۔ اور خود خوش ہوکر ستی ہوگئی۔ اس رانی کی ایک گولی جو عمر میں صرف دس برس کی تھی۔ نہایت حسین تھی۔

رانی اس کو اور یہہ رانی کو بہت پیاری تھی۔ جب رانی ستی ہونے لگی۔

اُس نے اپنی اس پیاری گولی کو ستی ہونے سے روکا۔ اور راجہ ہیراسنگھ کے حوالہ کیا۔ مگر یہ کب ممکن تھا۔ لڑکی کو رانی کی جدائی منظور نہ تھی۔ اُس کو زندگی موت اور موت زندگی نظر آتی تھی۔ اور رانی کے ساتھ اُس کے قدمون مین اپنے سر کو رکھکر جل مرنے کو عین راحت خیال کرتی تھی۔

رانی نے کمال محبت سے اُس کو تین دفعہ سمجھایا۔ کہ بیٹی تو معصوم ہے اور میری خوشی اسی میں ہے۔ کہ تو ستی ہونے سے باز آ۔ لیکن یہ گولی الفت کی آگ سے جلکر پروانہ بنی ہوئی تھی۔ اور رانی اُس کی نظرون میں شمع کا حکم رکھتی تھی۔ وہ چاہتی تھی۔ کہ جون تون ہو سکے۔ پروانہ وار اوس پر فدا ہو جائے۔ اور رانی کی زندگی کے خاتمہ کے ساتھ اپنی زندگی کا بھی خاتمہ کر دیوے۔ یہ ایک سچی محبت کا جادو تھا۔ اس کو رانی کی محبت آمیز فہمایش کب توڑ سکتی تھی۔ لڑکی نے مجبور ہو کر صاف لفظون میں کہا کہ اگر اوس کو ستی ہونے کی اجازت نہ دی جائیگی۔ تو وہ کسی اور طریقہ سے اپنی جان پر کھیل جائیگی۔ لڑکی کی اس قطعی تقریر نے تمام پند و نصائح کا خاتمہ کر دیا۔ مجبور ہو کر رانی نے اُس کو بھی اپنے چتا پر سوار کیا۔ اور رانی اور گولی دونون ستی ہو گئین۔

اب سردار لہنا سنگھ کی کیفیت سنئے۔ وہ ایک جگہ چھپا ہوا تھا۔ اور ایک وفادار سکھ جس کا نام راہ سنگھ تھا۔ ننگی تلوار سے اوس کا پہرہ دے رہا تھا جو شخص اُس کے نزدیک آتا تھا۔ اس وفادار سکھ کی تلوار کا شکار ہو جاتا تھا راہ سنگھ نے ۱۳۔ آدمیون کو قتل کیا۔ لیکن بکرے کی مان کب تک خیر مناوے۔ .... چودھوین حملہ آور کے ہاتھ سے راہ سنگھ بھی مارا گیا۔ اور مرتے مرتے بھی اوس کے مونہہ سے یہی آواز آتی تھی۔ کہ میرے سردار کو اسطرح ذلیل کر کے مت مارو۔

اجیت سنگھ کے مارے جانے کے بعد راجہ ہیراسنگھ نے لہنا سنگھ کے سر کا مول دس ہزار روپیہ مقرر کر رکھا تھا۔ جب راہ سنگھ مارا گیا تو کسی

نے اس کا یعنے لہنا سنگھ کا سر بھی کاٹ کر ہیرا سنگھ کے آگے جا رکھا - اور دس ہزار روپیہ کا موعودہ انعام حاصل کیا -

ان دونون سردارون کے مارے جانے کے بعد اُن کے گھر گرائے گئے اُن کی جاگیرین ضبط کی گئیں - اور اون کے طرفدار چُن چُن کر مارے گئے - حتے کہ بھائی گورمکھ سنگھ بھی قتل کیا گیا - اور اس طوفان نے تمیزی میں مصر بیلی رام بھی مارا گیا - جو کہ نہایت دیانتدار اور مدبر اہلکار تھا - باوجود ان تمام انتقام گیریون کے غصہ کی آگ تب تک فرو نہ ہو سکی - جب تک کہ لہنا سنگھ اور اجیت سنگھ کی لاش گھسیٹ گھسیٹ کر تمام شہر میں نہ پھرائی گئی - سردار عطر سنگھ کو جو اونکی مدد کو آ رہا تھا - جب ہر دو سردارون کے اسطرح سے مارے جانے کا حال معلوم ہوا - تو وہ دم دبا کر واپس بھاگا -

راجہ سوچیت سنگھ کی شہادت

راجہ ہیرا سنگھ نے سندھانوالیہ سردارون سے جب باپ کا بدلا لیلیا - تو قلعہ میں جا کر مہاراجہ دلیپ سنگھ کے پانو چومے - اور تمام فوج کو ایک ماہ کی طلب انعام میں دی - پھر ماہ ستمبر ۱۸۴۳ء میں ایک دربار عام لگایا گیا - جس میں تمام جاگیردارون اور جنگی اور ملکی عہدہ دارون کی موجودگی میں دلیپ سنگھ پنجاب کا مہاراجہ اور ہیرا سنگھ اوس کا وزیر نامزد ہوا - اس وقت راجہ ہیرا سنگھ ۲۵ - برس کا اور مہاراجہ دلیپ سنگھ صرف ۶ - برس کا تھا -

راجہ ہیرا سنگھ نے وزیر بننے سے بارہا انکار کیا تھا - اور عذر یہ اٹھایا تھا کہ اوس کے مخالف بہت ہیں - لیکن فوج نے جو ممنون احسان تھی - ایک بھی نہ سنی حتے کہ دشمن کش راجہ ہیرا سنگھ نے جن اشخاص پر اپنی بدگمانی ظاہر کی - فوجی سردارون نے یا دوسرے لفظون میں فوجی بھیڑون

ان بدنصیبون کو اسیوقت یا قتل یا گرفتار کیا۔ جس پر راجہ ہیرا سنگھ نے وزارت کے عہدہ کو قبول کیا اور اپنے چچا کو بھی اسی وزارت پر نثار کیا۔

اول تو وزارت کا کام ہر ایک زمانہ میں بہت ٹیڑھی کھیر ہوتا ہے۔ لیکن اس زمانہ کی مدار المہامی اور بھی نیم چڑھا کریلا بنی ہوئی تھی۔ اس واسطے جب تک راجہ ہیرا سنگھ جیتا رہا۔ تب تک مشکلات میں ہی مبتلا رہا۔ اور نتیجہ یہ نکلا۔ کہ جس وزارت کے قبول کرنے سے پہلے وہ انکاری ہوا تھا۔ پیچھے سے اس پر وہ یہان تک دل دادہ ہوا۔ کہ پہلے اس نے اس عہدہ پر قایم رہنے کے لئے اپنے چچا کے خون سے اپنے ہاتھون کو رنگین کیا۔ اور آخر کار اپنا خون بھی اسی وزارت پر نثار کر دیا۔

باوجود اس کے یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ راجہ ہیرا سنگھ جو کہ کسیقدر انگریزی اور فارسی بھی جانتا تھا۔ گو ابھی کم عمر اور ناتجربہ کار تھا۔ تاہم وہ صرف مدبر اور حکمتی ہی نہیں بلکہ کام نکالنے کیوقت وہ اپنی شیرین زبانی سے جادو کا کام کر جاتا تھا۔ اور اوس کی وزارت اوس زمانہ کے حالات کے مطابق نہایت موزون تھی۔ لیکن خالصہ سلطنت کے حالات ایسے بگڑ چکے تھے۔ کہ یہ ممکن نہ تھا۔ کہ راجہ ہیرا سنگھ اپنی راجپوتی آن بان کو بھی قایم رکھتا۔ اور ہر ایک آفت سے بھی بچا رہتا۔ اوس کے باعث حسب ذیل تھے۔

(۱) راجہ صاحب موصوف امورات سلطنت میں ہر حالت میں جلاّ پنڈت کے مشورے پر کاربند رہتے تھے۔ جو گو اول درجہ کا منتظم اور با اصول آدمی تھا۔ لیکن بوجہ اوس کی نظمی سختیون اور بدذہنی کے تمام دربار اوس کا دشمن جانی تھا۔ بلکہ اس کو راجہ سوچیت سنگھ سے بھی جس کو رانی جندان اپنا وزیر بنانا چاہتی تھی۔ اسی رانی جندان کی مہربانی سے سخت عداوت تھی۔

(۲) کشمیرا سنگھ اور پشاورا سنگھ جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام نہاد بیٹے

تھے۔ اون کا خاتمہ کرنے مین جو کچھ کارروائیان راجہ ہیرا سنگھ کو کرنی پڑین۔ اون سے بھی راجہ صاحب موصوف کی بہت بدنامی اور بدگمانی ہوئی۔

(۳) متواتر جنگون سے خزانہ خالی۔ اور مالیہ وصول طلب تھا جس کے وصول کرنے مین سخت تنگ طلبی کی گئی۔ جو کہ ایک لازمی امر تھا۔ اس کارروائی نے بھی جلتی آگ مین تیل کا کام دیا۔

(۴) راجہ سوچیت سنگھ وزارت کے خواہان تھے۔ اور رانی جندان جو کہ اون پر دل وجان سے فریفتہ تھی۔ اونکی مددگار تھی۔

راجہ ہیرا سنگھ کے وزیر بننے کے بعد پہلی خرابی یہی ہوئی۔ کہ راجہ سوچیت سنگھ صاحب نے اون کے برخلاف ہاتھ پیر مارنے شروع کئے۔ جس پر رانی جندان کا بھائی سردار جواہر سنگھ اوس کا یہان تک طرفدار رہا کہ ایک موقعہ پر جبکہ فوج کا حلیمہ ہو رہا تھا۔ سردار مذکور فیل سوار ہوکر مہاراجہ دلیپ سنگھ کو فوج مین لیگیا۔ جہان اُس نے مہاراجہ مذکور کو گود مین بٹھا کر سرداران فوج کے آگے راجہ ہیرا سنگھ کی شکایت کی۔ اور کہا کہ راجہ صاحب موصوف مہاراجہ اور رانی جندان کی بات بات پر سخت بعزتی کرتے ہین۔ جس سے اگر ان کو نجات نہ ملیگی۔ تو بحالت مجبوری انگریزون سے مدد مانگی جائیگی۔ سردار جواہر سنگھ کی اس تقریر سے فوج کو اوس کی جانب سے انتہی بدگمانی پیدا ہوئی۔ جس پر راجہ ہیرا سنگھ نے سردار مذکور اور راجہ سوچیت سنگھ کو ملک اور قوم کا دشمن سلطنت کا نمکحرام اور بدخواہ اور انگریزون کا طرفدار قرار دیا۔ اور مشہور کیا۔ کہ یہ دونون مہاراجہ دلیپ سنگھ کو انگریزون کا باجگذار بنانا چاہتے ہین۔ بلکہ یہ بھی شہرت ہوئی۔ کہ سردار جواہر سنگھ مہاراجہ دلیپ سنگھ کو فیروزپور مین لیجاکر انگریزون کے سپرد کرنیکو تیار ہے۔ جس پر راجہ ہیرا سنگھ نے اُس کو قید کر ڈالا اور راجہ سوچیت سنگھ کو کمزور کرنیکے لئے اِدہر تو اُس کی دو پلٹنین توڑ ڈالین۔ اُدھر اُس کی آمد ورفت

رانی جندان کے پاس سے بند کر دی۔ بلکہ سردار لعل سنگھ کو بھی رانی جندان کے پاس نہ جانا ملا۔

مہاراجہ گلاب سنگھ نے جب راجہ ہیرا سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ کے تعلقات کو اس حد تک بگڑے ہوئے پایا۔ تو راجہ سوچیت سنگھ کو معہ اسکی پرائیویٹ فوج کے اپنے ساتھ جمون کو لیگیا۔ جہان مہاراجہ رنبیر سنگھ کو اونکا متبنیٰ بنا دیا۔ کیونکہ راجہ سوچیت سنگھ لاولد تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کی اس دوراندیشی سے نفاق کی وہ آگ جو اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ کسیطرح کم نہ ہو سکی۔

راجہ ہیرا سنگھ نے جو جو منصوبے کشمیرا سنگھ اور پشاورا سنگھ کی بربادی کے لیئے تیار کئے تھے اُن سے کل فوج راجہ ہیرا سنگھ کی اس حد تک مخالف ہو گئی۔ کہ اُنہون نے صرف سردار جواہر سنگھ کو ہی قید سے رہا نہین کیا۔ بلکہ راجہ ہیرا سنگھ سے یہ بھی اقرار لیا۔ کہ آیندہ جلا پنڈت کا امورات سلطنت کے ساتھ بالکل کوئی تعلق نہ رہیگا۔

لیکن راجہ ہیرا سنگھ نے اُس زبانی وعدہ کو بھی پورا نہین کیا۔ جس سے نوبت یہان تک پہونچی۔ کہ فوج کے ایک حصہ کے سردارون نے ایک ڈوگرے سردار کے ذریعہ راجہ سوچیت سنگھ کو وزارت کا عُہدہ ملنے کا یقین دلوا کر کوہستان سے بلا بھیجا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی تاکید کر دی۔ کہ اگر یہ موقعہ ہاتھ سے چلا گیا تو وزارت کا ملنا مُشکل ہو جائیگا۔ راجہ صاحب اس جھانسے مین آ کر معہ اپنی فوج کے فوراً شاہدرہ مین آ پہونچے۔ جہان سے اُنہون نے طلب کنندہ سردارون کو اپنے آنیکی خبر دی۔ اور اُن کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ مگر راجہ ہیرا سنگھ نے خبردار ہو کر اُن سب کو رات بھر مین ہی یہانتک اپنا طرفدار بنا لیا تھا۔ کہ راجہ سوچیت سنگھ کے پاس کوئی سردار نہ گیا۔ اور نہ اب کسی کو اُن کے وزیر بنانے کا خیال رہا۔

جب راجہ سوچیت سنگھ نے رنگ زمانہ بگڑا ہوا دیکھا۔ اور اُن لوگون کے

اطوار بدلے ہوئے پائے۔ کہ جن کے بہروسے پر وہ اپنے وطن سے کوچ
کرکے آئے تھے۔ تو رائے کیسری سنگھ کے مشورے سے چار سو
سوارون کی جمعیت کو ہمراہ لیکر وہ خالصہ فوج کے سوارون کے رسالہ
میں تشریف لیگئے۔ راجہ سوچیت سنگھ کو اُمید تھی۔ کہ وہ ضرور مدد کرینگے۔
لیکن اُنہون نے بھی سکھ فوج کے مقابلہ میں مدد دینے سے صاف
انکار کیا۔ بلکہ از راہ خیر اندیشی کوہستان کو واپس چلے جانے کا مشورہ دیا۔
یہ واقعی طور پر ایک نہایت محتاط اور سنجیدہ مشورہ تھا۔ حتیٰ کہ راجہ ہیرا سنگھ
نے بھی بدین خیال کہ باہمی خانہ جنگی کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔ بہت چاہا تھا کہ
کسیطرح راجہ سوچیت سنگھ صاحب واپس چلے جاوین۔ لیکن ہونی بات
کرے۔ انہونی راجہ سوچیت سنگھ نے ایک بھی نہ مانی۔ اور پست حوصلہ ہونیکی
جگہ اسقدر پُرجوش ہوئے۔ کہ میان وڈا کی مسجد جو کہ متصل تھی۔ اوسمین جا کر
قیام کیا۔ اور اوس کی ناپایدار چار دیواری کو ایک سنگین قلعہ کی عزت دیکر اپنی
کل فوج کو وہان ہی طلب کر لیا۔ ادہر رات بہر گرنتھ صاحب سنتے ہی۔ پہر تو راجہ
ہیرا سنگھ نے بھی فوج کے سردارون اور پنچون کو جمع کرکے اُن کے آگے
ہاتھ جوڑے۔ اور اُن کے حضور میں حسب ذیل موزون اور با موقعہ تقریر کی۔
خالصہ جی! تمہارے وزیر کا بیٹا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کا پالک اس خالصہ
اجلاس میں ایک ناچیز سائل کی حیثیت سے حاضر ہے۔ آپ مہربانی کرکے
یہ فرمائی۔ کہ میں نے کیا قصور کیا ہے۔ کہ آپ لوگون نے میرے چچا کو جو کہ
فرنگیون کا طرفدار اور میرا جانی دشمن ہے۔ میرے مارنے کیواسطے اسطرح
یکبارگی یہان طلب فرمایا ہے۔ کیا مجھکو آپ لوگون سے یہی اُمید تھی۔
خالصہ فوج قوم اور ملک کی خادم ہیں۔ میں ایسے بہادرون کے ہاتھ سے
قتل ہونے کو رضامند ہون۔ اور اُن کے ہاتھ سے مارے جانے کو
بڑی عزت سمجھتا ہون۔ لیکن آپ لوگون کو واہگورو جی کی قسم ہے ایسا نہو کہ

میں ذلیل اور خوار کر کے مارا جاؤں۔ اگر آپ لوگ میرے چچا کے مددگار نہیں ہیں۔ تو اوس کا یہاں کیا کام تھا۔ اور وہ اپنے کوہستانی وطن سے اس میدانی ملک میں کیوں آیا ہے میں آپ کے وزیر کا بیٹا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کا پالک ہوں۔ میری مدد کرو۔ اور میرے چچا کے ساتھ جو میرا دشمن ہے۔ لڑکر مجھ کو اُس کے آسیب سے بچاؤ۔

مجھکو یقین ہے اسکا اجر اور پھل آپ لوگوں کو ست گورو سے ضرور ملیگا۔ یہ ایک ایسی فصیح تقریر تھی۔ کہ جسکو سنکر جملہ حاضرین راجہ ہیرا سنگھ کے پسینے پر اپنا خون گرانیکو تیار ہو گئے۔ اور گو افسران فوج کو اس خانہ جنگی کیواسطے تیار کرنے کے لئے اور کسی طرح جوش دلانیکی کوئی ضرورت نہ تھی۔ مگر راجہ ہیرا سنگھ نے ایک اور سوا ہی یہ بھی لگا دی۔ کہ اس خدمت کے معاوضہ میں فی سوار پیادہ اور گولہ انداز ایک ایک بُٹکی۔ اور فی افسر ایک ایک کنٹھا انعام دینے کا بھی وعدہ کیا۔ بس یہاں دیر ہی کیا تھی۔ ۱۵ ہزار پیادہ فوج اور ۴ ہزار سواروں کے رسالے اور ۵۶ توپوں نے راجہ سوچیت سنگھ اور اُس کے چند ساتھیوں پر فوراً لشکر کشی کر دی۔ اور سیلابی پانی کیطرح سے میاں وڈی کی خانقاہ کو ایک پل میں جا کر ہر طرف سے گھیر لیا۔ گویا ایک مکھی کے شکار کے لئے ایک پہاڑ جنبش میں آیا۔ اور اُس کے تیر ہر سو سے برسنے لگے۔

راجہ سوچیت سنگھ کو اس حملہ کی خبر پہلے سے ہو چکی تھی۔ بلکہ میاں شرف الدین جو اس خانقاہ کا سجادہ نشین تھا۔ اُس نے محاصرہ کیوقت بہت کوشش کی۔ کہ کسیطرح سے راجہ صاحب جان بچا کر بھاگ جانے پر رضامند ہو جاویں تو وہ اُس کا عمدہ طور سے انتظام کر دیوے۔ حتے کہ اُس نے یہ بھی برملا کہدیا۔ کہ اگر آپ یہاں سے تشریف نہ لیجاوینگے۔ تو خانقاہ بھی مسمار ہو جاویگی۔ اور جو فقیر لوگ اُس میں رہتے ہیں۔ جن میں سے زیادہ نابینا ہیں وہ بھی مارے جاوینگے۔

اودھر گو راجہ ہیرا سنگھ نے اس کثیر التعداد فوج کے ساتھ راجہ صاحب موصوف کو اسطرح گھیر لیا۔ کہ جس طرح شکاریون کی ایک بڑی بھاری جماعت ایک تن تنہا شیر کے مارنے کیواسطے ہتھیار تیاریان کرتی ہے۔ لیکن تاہم راجہ ہیرا سنگھ کی خواہش اسوقت تک بھی یہی تھی۔ کہ اگر راجہ صاحب موصوف اب بھی واپس جانا منظور کرین۔ تو فوج کو واپسی کا حکم دیا جاوے۔ لیکن اُس راجہ سوچیت سنگھ کو کہ جس کی دونون مونچھون پر دو نیمو ٹھہر سکتے تھے۔ یہ کب گوارا ہو سکتا تھا۔ کہ جمون کی جھیوریان اُس کو یہ کہکر بدنام کرین کہ راجہ سوچیت سنگھ میدان جنگ میں سے بھاگ آیا ہے۔ آخر کار باہر گولہ باری شروع ہوئی۔ آنکھون والے درویشون نے بھاگ کر جہان جس کے سینگ سمائے وہان جاکر پناہ لی۔ اندھے فقیر وہان ہی ڈھیری ہو گئے۔ جب خانقاہ کی دیوارین بھی اوپر سے گرنے لگین۔ تو گرنتھی نے گرنتھ صاحب کی کتھا سماپت کی۔ اور شیرون کی جماعت خم ٹھوک کر میدان جنگ میں ننگے ہتھ چلی آئی راجہ سوچیت سنگھ سکھون کی فوج کی پہلی قطار کے آگے اس بیفکری کے ساتھ چلا آیا۔ کہ جس طرح سے کوئی شیر شکار کھیلنے کے شوق سے بھیڑون کے اجّڑ میں چلا آتا ہے۔ اور اُن سے مخاطب ہو کر یون بولا۔

راجہ سوچیت سنگھ کی تقریر

سنو خالصہ جی! مجھکو وزارت کی کوئی آرزو نہ تھی۔ میں اپنے کوہستانی وطن میں بیٹھا ہوا تھا۔ تم لوگون نے میرے پاس پیغام بھیجے۔ اور ترغیب اور امیدین دیکر مجھکو یہان طلب کیا۔ جس پر میں آپ لوگون کا اعتبار کرکے یہان آیا۔ اب آپ لوگ اس قدر جماعت کثیر کے ساتھ مجھکو مارنا چاہتے ہو۔ یہ آپ لوگون کو مناسب نہ تھا۔ بہر حال جو کچھ آپ لوگون نے میرے ساتھ سلوک کیا ہے۔ اوس کی مجھکو کوئی شکایت نہیں ہے۔ لیکن میری جماعت جسمین

صرف وہ ہی چند جان نثار ملازم ہیں۔ جنہون نے کہ اس آزمایش کے وقت میں مجھہ سے جدا ہو کر زندہ رہنے کو پرم دکھہ اور ایک بڑی بھاری مصیبت خیال کیا ہے۔ آپ لوگون کی فوج عظیم کے مقابلہ میں اس طرح ہے۔ کہ جس طرح آٹے میں نمک ہوتا ہے۔ اس لئے میری صرف یہ تمنا ہے۔ کہ اگر آپ لوگ اس جنگ کو ایک تاریخی وقوعہ بنانا چاہتے ہو۔ تو میرے ساتھ سچے بہادرون کی طرح لڑو۔ میں آگے بڑھتا ہون۔ آپ لوگون میں سے بھی ایک ایک آدمی آگے بڑھ بڑھ کر میرے ساتھ زور آزمائی کرے۔ تاکہ دنیا کو بھی معلوم ہو۔ کہ راجپوت لوگ کیسے بہادر ہوتے ہیں۔

یہ کہا۔ اور راجہ سوچیت سنگھ اس طرح آگے کو بڑھا۔ کہ جسطرح سے ایک شیر جسطرف چاہتا ہے۔ بلا دہڑک چلا جاتا ہے اُس کی تقریر کو سن کر سکھون کی تمام فوج سُن ہو گئی۔ سب کے ہوش ہران ہو گئے۔ کسی سپاہی کو آگے بڑھنے کی جرات نہ ہوئی۔ تمام فوج میں سنسنی سی چھا گئی۔ آخر کار رائے کیسری سنگھ جو راجہ سوچیت سنگھ کا وزیر بھی تھا۔ اور اپنی جوانمردی اور وفاداری میں بھی اپنی نظیر آپ ہی تھا۔ اپنی جماعت میں سے نکلکر راجہ سوچیت سنگھ کے پاس گیا۔ اور ہاتھہ سے بگڑ کر اپنی جماعت میں کھنچ لایا۔

چند لمحون تک دونون فوجون میں سے کسی نے بھی آگے کو پیش قدمی نہیں کی لیکن راجہ سوچیت سنگھ کی مٹھی بھر جماعت جنمیں ہمگی تمامی ڈہائی سو سوار اور ڈیڑھ سو پیادہ فوج شامل تھی سخت بیقرار تھی۔ اُن کا سر اُن کے جسم پر اُن کو جوش مردانگی سے بار گران معلوم ہوتا تھا۔ جنگ میں مرنے کے برابر دنیاوی زندگی میں اُن کو کوئی ہی سوکھہ معلوم نہیں ہوتا۔ سب نے اپنے سر ہاتھہ پہ رکھے ہوئے تھے۔ حملہ کرنے والی فوج کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔ کہ ان شیر دلون پر جو موت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ حملہ کرے۔

آخر کار یہ ہی جوانمرد تلوارین سونت کر آگے کو بڑھے۔ اور دشمن پر اس طرح آ کر

تلوار کی آگ برسانے لگے۔ کہ جسطرح کسی گہاس پھوس کے جنگل پر بجلی گرپڑتی ہے۔ مرتا کیا نہیں کرتا ہے۔ ڈوگرون نے یہ حملہ اس تندہی اور جوش وخروش کے ساتھ کیا۔ کہ گویا سکہون کے دل میں موت آکر شکار کہیلنے لگی۔ تمام سکھ ایسے خوف زدہ ہوئے۔ کہ آگے کی چار پلٹنیں واقعی طور پر اس طرح بہاگ نکلیں کہ جس طرح ایک بہیڑون کا گلہ شیر کی شکل دیکھکر منتشر ہوجاتا ہے۔ تیس سکھ ایک وار ہی میں مارے گئے۔ اس سے سکھون کی فوج میں اور بھی گبراہٹ پیدا ہوئی۔ کسی میں بندوق چلانیکی طاقت نہیں رہی۔ حالانکہ راجہ ہیرا سنگھ ہاتھ میں مشعل لیکر پیچھے سے بار بار شاباش شاباش کے آواز کس کر اُن کا حوصلہ بڑہاتا تھا۔

مگر بچارے سکھ کیا کرتے جو آگے بڑہتا تھا۔ اوس کا سر اسیطرح کاٹا جاتا تھا۔ کہ جس طرح کوئی شخص گاجر یا مولی کو کاٹ ڈالتا ہے۔

ڈوگری تلوار کے آگے سکھون کی توپ اور بندوق بیکار ہوگئی۔ ڈوگرون نے اپنی مردانگی اور شجاعت کے خوب جوہر دکھلائے۔ ایسا کوئی ڈوگرہ نہ تھا جو کہ ایک دو سکھون کو مار کر نہ مرا ہو۔ بسنت سنگھ جو کہ راجہ سوچیت سنگھ کا مصاحب تھا۔ ۱۷ سکھون کو تہ تیغ کرکے شہید ہوا۔ راجہ سوچیت سنگھ تین سکھون کو ملک عدم کی راہ دکھا کر دو گولیون سے زخمی ہوکر گرپڑا۔

رائے کیسری سنگھ اب تک ۹ آدمیون کو دشت عدم کیطرف روانہ کرچکا تھا۔ اس جوانمرد کا تمام جسم گہائے زخم سے جو کہ لاتعداد تھے۔ ایک باغ پہر بہار کیطرح شگفتہ تھا۔ زخم کہا کہا کر گر پڑتا تھا۔ لیکن دم سنبھال سنبھال کر پہر کمال طیش سے کھڑا ہوجاتا تھا۔ اور مخالفین پر اسطرح حملہ آور ہوتا تھا۔ کہ جسطرح زخمی شیر حملہ کرتا ہے۔ جب وہ لاثانی بہادر جس کی دنیا میں کوئی نظیر نظر نہیں آتی۔ اس طرح سکھون کو قتل کرچکا۔ تو پہر اُس میں دوبارہ اُٹھنے کی طاقت نہیں رہی۔ آخر کار سر کے بل گر پڑا۔ اس جنگ میں سکھون کے کل ۱۲۰ آدمی

مارے گئے - اور فریق ثانی میں سے کوئی بھی نہ بچا -
بھیم سین جو کہ راجہ سوچیت کا دوسرا وزیر تھا - اُس نے بھی خوب بہادری دکھائی جب راجہ ہیرا سنگھ نے دیکھا - کہ راجہ سوچیت سنگھ کا کوئی آدمی بھی جنگ کو جاری رکھنے کیواسطے باقی نہیں - تو اپنی فوج کو واپسی کا حکم دیا - اور خود شہیدان جنگ کا ملاحظہ کرنے لگا - سب خاک کے بسترے پر اپنے خون کی رنگین لحاف کو اوڑھ کر کمال آسودگی کے ساتھ ملک عدم کی چارپایون پر ایسے مست سو رہے تھے - کہ نہ اُن کو بیدار کرنے کی کسیکو طاقت تھی - اور نہ کوئی اُن کو کسی قسم کی تکلیف پہونچا سکتا تھا - بلکہ اب اُن کے دلون میں نہ کسی کا خوف تھا - اور نہ کوئی خواہش باقی تھی - لیکن ایک جوانمرد ہنوز زندہ تھا - اور یہ جوانمرد وہی رائے کیسری سنگھ تھا - جس کا ثانی تجربہ کار جنگ آزمودہ اور بہادر سپاہی کا پیدا ہونا ناممکن ہے سب سے پہلے راجہ ہیرا سنگھ کی نظر اسی جودھے پر پڑی - اس وقت یہ رستم ثانی جانکنی کی حالت میں تھا - تاہم اُس نے راجہ ہیرا سنگھ کو دیکھا اور جے دیوا کی - بلکہ اشارہ سے پانی مانگا - لیکن ہائے افسوس کہ اس سراپا مجسم شجاعت اور وفاداری کو جو کہ بجائے پانی کے آب حیات کا مستحق تھا - پانی کے ایک گھونٹ کی جگہ یہ خشک جواب ملا - کہ پنجاب کے میدانون میں پانی کہان ہے - پانی کے چشمے پہاڑون میں ہوتے ہیں -

رائے کیسری سنگھ نے جب راجہ ہیرا سنگھ کا یہ جواب سُنا - حسرت سے اُس کی طرف ایک نگاہ کی - اور سُرگ کی راہ پکڑی -

اُس کے بعد راجہ ہیرا سنگھ ذرہ اور آگے جو بڑھا تو راجہ سوچیت سنگھ کی لاش کو اور مردون کے ساتھ خاک میں خون آلودہ اور اُفتادہ دیکھا - اب محبت کے خون نے رگون میں جوش مارنا شروع کیا - سینہ کینہ سے صاف ہو گیا - عداوت کی وحشت دور ہوئی - محبت کی انسانیت نزدیک آئی - اپنی کرتوت پر غور کیا -

---

ڈوگرے لوگ چھتری راجاؤن اور تمام راجپوتون کو سلام یا بندگی کی جگہ جے دیوا کہتے ہیں - جس کے معنے ہیں - کہ اے دیو تم کو فتح حاصل ہو -

دنیا کی بے ثباتی سے بھی دل پر چوٹ لگی۔ جو گھر پھوٹ کا تماشہ وقوع میں آیا تھا۔ اس سے سخت پشیمان ہوا۔ رنج و غم کی فوج نے ہر طرف سے آکر دل کے قلعہ کو ایسا محصور کیا۔ کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ایک مظلوم عورت کیطرح بہ آواز بلند رونے لگا۔ خوب پھوٹ کر رویا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ جو پیشانی میں لکھا تھا۔ پیش آچکا تھا۔ آخر کار راجہ سوچیت سنگھ کی لاش کو اپنی پالکی میں سوار کرا کے قلعہ کو لے آیا۔ رائے کیسری سنگھ اور بھیم سین کی لاشوں کی بھی عزت کی گئی۔ اور آدمیوں کی لاشیں بھی اُن کی حیثیت کے مطابق عزت کے ساتھ جلائی گئیں۔

راجہ سوچیت سنگھ کی لاش تمام اہلکاروں کی موجودگی میں تمام عزت کے ساتھ جلائی گئی۔ اور جب تک وہ جلتی رہی۔ راجہ ہیرا سنگھ بھی وہاں ہی رہے۔ یہ جنگ سنہ ۱۸۴۴ء کو ہوا تھا۔

جب راجہ سوچیت سنگھ کی رانیوں کو اس وقوعہ کی خبر ملی۔ تو وہ سب کی سب جو تعداد میں پانچ تھیں۔ راجہ سوچیت سنگھ کی پگڑی کے ساتھ ستی ہو کر جل مریں

راجہ ہیرا سنگھ کا مارا جانا

اصلی بات تو یہ ہے۔ کہ اگر رانی جنداں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے گھر میں نہ آتی یا اُس کی زندگی میں مر جاتی۔ تو نہ راجہ سوچیت سنگھ نہ جلا پنڈت اور نہ راجہ ہیرا سنگھ مارا جاتا۔ اور نہ خود رانی جنداں کا بھائی جواہر سنگھ بھی قتل ہوتا بلکہ سکھ لوگ انگریزوں کے ساتھ احمقوں والی لڑائی لڑتے۔ اور نہ قوم اور ملک کی بربادی ہوتی۔ جس قدر عداوتیں پڑیں نفاق پھیلے اور خونریزیاں ہوئیں وہ سب اُسی کے حسن و جمال کے ایک نیم ناز کا نتیجہ تھیں۔ اس میں شک

نہیں ہے۔ کہ جلاّ پنڈت ایک سخت گیر آدمی تھا۔ اور بوجہ اپنی دیانتداری کے انتظام کو قایم رکھنا چاہتا تھا۔ اور بداعمال شخصون کو سخت سزائین دیتا تھا اور کسی کی سفارش بھی نہیں سُنتا تھا۔ بلکہ دریدہ دہن اور مونہہ پھٹ بھی پرلے درجہ کا تھا۔ اور بداعمال لوگ جنہون نے اس کو سخت بدنام کر رکھا تہا چاہتے تھے۔ کہ وہ امورات سلطنت سے کسی طرح کنارہ کش ہو جائے۔ اور راجہ ہیرا سنگھ اُس کے انتفاق رائے اور مشورے سے کوئی کام نہ کرے۔

لیکن سب سے زیادہ اُس کی بربادی سردار لعل سنگھ نے کی۔ جو در اصل راجہ دہیان سنگھ کا سبز کردہ تھا۔ اور راجہ ہیرا سنگھ سے زیادہ تر اس واسطے ناراض تھا۔ کہ اُس نے اُس کی آمد و رفت رانی جندان اور اوسکی بدکار گولی منگلان کے پاس سے بند کر دی تہی۔ جو گہری سازشین اس سردار نے راجہ ہیرا سنگھ کے برخلاف کر رکھی تہیں۔ راجہ ہیرا سنگھ کو اُن کی بالکل خبر نہ تھی۔ باعث یہ تہا کہ ایک تو سردار مذکور اسکی اپنی پارٹی یا جماعت کا آدمی تہا۔ دویم اُس کی سازشین بہت گہری اور خفیہ تہین اور اُن کے پوشیدہ رکھنے کے لئے اُس نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ روز روشن میں وہ راجہ ہیرا سنگھ کے مشورون میں شامل رہکر اُس کی طرفداری اور خیر اندیشی کا دم بہرتا رہا۔ اور رات کے وقت اُس کی عقل پر جوہین تاریکی کا پردہ پڑتا تہا۔ فوراً سردار جواہر سنگھ کے پاس چلے جاتا تھا۔ جس کو راجہ ہیرا سنگھ نے وزیر بننے ہی قید کیا تھا۔ اور وہان جا کر در پردہ راجہ مذکور کی بیخکنی کے منصوبے کرتا تھا۔ جس میں رانی جندان اور منگلان گولی اس کا پورا پورا ہاتھ بٹاتی تہین

جو زہریلا اثر ان منصوبہ بازون نے راجہ ہیرا سنگھ کی وزارت کے برخلاف ملک میں پھیلا رکھا تھا۔ اُس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ ایک دن فوج کے چند چیدہ سردارون نے برملا راجہ صاحب مذکور کے پاس آ کر کہا۔ کہ جلاّ پنڈت کو فوج کے حوالہ کر دو۔ اس پر راجہ مذکور نے جلاّ پنڈت سے دریافت کیا۔ کہ اب فوج کو کس طرح خوش کیا جائے۔ جواب یہ ملا۔ کہ جو شخص راجپوتون

کی پناہ مین آتا ہے۔ راجپوت لوگ اپنا سر دیتے ہیں۔ لیکن پناہ گیر کو اُس کے دشمن کے حوالہ ہرگز نہیں کرتے۔ مین اس وقت آپکی پناہ مین ہون۔ اگر آپ راجپوت ہونیکا دعوی ترک کرتے ہیں۔ تو مجھکو فوج کے حوالہ کر دیجئے۔ جلا پنڈت کی اس بات نے وہ اثر کیا کہ راجہ ہیرا سنگھ نے ایسی بیمروت اور شرمندگی کی زندگی پر موت کو ترجیح دی اور جلا پنڈت کو لیکر لاہور سے بھاگ نکلنے کی ٹھہرائی۔

مگر افسوس ہے کہ اُس نے مفرور ہونے مین بھی تاخیر کی۔ اُس کو آنیوالی مصیبت کا مفصل حال پہلے سے ہی معلوم ہو چکا تھا۔ اگر راجہ صاحب خبر پاتے ہی سر شام بھاگ نکلتے۔ تو بچ جاتے۔ لیکن وہ رات کو اسباب جمع کرتے رہے۔ ادہر اُن کے مخالف فوج کو اشتعال دیتے رہے۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ صبح دم فوج میں جمع ہونے کا بگل ہوا۔ بگل کی آواز سنتے ہی راجہ صاحب کے کان بھی کھڑے ہوئے۔ فوراً جلا پنڈت اور میان سوہن سنگھ کو ہمراہ لیکر نیل سوار ہوئے۔ اور ایک جماعت کے سمیت دریائے راوی کے پار چلے گئے۔ یہان تک تو کچھ سکھ سردار بدین آرزو ہمراہ تھے۔ کہ اگر راجہ ہیرا سنگھ جلا پنڈت کو اب بھی فوج کے حوالہ کر دیوے۔ تو اُسکی جان بچائی جائے۔ لیکن جب اُنہون نے دیکھا۔ کہ راجہ صاحب موصوف پنڈت مذکور کا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑتے تو وہ سب مایوس ہو کر واپس ہوئے۔ اور راجہ صاحب موصوف کی جماعت جلدی جلدی تاماگڈہ کے متصل جا پہونچی۔

یہان راجہ صاحب موصوف کی رات بھر کی بیداری رنگ لائی نیند نے زور کیا۔ ذرہ آنکھ لگ گئی۔ مگر آرام کرنا اب کہان نصیب تھا۔ پیچھا کرنے والے سوار بڑے زور و شور سے آ رہے تھے۔ اُن کے گھوڑون کے سمون کی آہٹ سے خواب حرام ہو گیا۔ فوراً سوار ہو کر پھر بھاگنے لگے۔ کہ اتنے میں راجہ سوچیت سنگھ کا رسالہ قریب آ پہونچا۔ راجہ ہیرا سنگھ کو اُن سے پناہ ملنے

کی اُمید ہوئی۔ اور اُن کی طرف بڑہے۔ مگر جو سلوک راجہ سوچیت سنگھ کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ سب اُن کو یاد تہا۔ بجائے پناہ دہی کے وہ انتقام گیری پر اُتر آئے۔

یہ حال دیکھکر مایوس شدہ جماعت شاہدری میں داخل ہوئی۔ یہان فوجی پٹھانون کے ڈیرے تھے۔ وہ بھی پناہ دہی سے منکر ہوئے۔ لاچار اجل رسیدہ جماعت اس سڑک پر چڑہ گئی۔ جو جمون کو جاتی ہے۔

اب جان کا بچاؤ دولت کے لوٹانیمیں نظر آیا۔ جب سوارون کا کوئی دستہ تعاقب کرتے کرتے نزدیک آجاتا تھا۔ راجہ ہیرا سنگھ صاحب ایک اشرفیونکا توڑا کھولکر ہاتھی پر سے زمین پر گرا دیتے تھے۔ سوار لوگ جب تک اُسکو بٹورتے رہتے تھے۔ تب تک راجہ صاحب کی سواری ایک دو میل آگے جا نکلتی تھی۔ اور گو جرنیل شام سنگھ اور میوہ سنگھ سوارون کو اشرفیان اوٹھانے سے روکتے تھے۔ لیکن لالچی سوار ایک بھی نہیں سنتے تھے۔ ۱۲۔ کوس تک اسطرح سفر ہوتا رہا۔ مگر بکرے کی مان کب تک خیر مناتی۔ جلّا پنڈت جو درمیان میں ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا تھا۔ آخر کار تھک کر گر پڑا۔ اُس کے گرنے کی دیر تھی۔ کہ پر جوش سوارون نے اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ جب راجہ ہیرا سنگھ صاحب اور اُن کے ہمراہیون نے دیکھا۔ کہ پیچھا چھٹنا مشکل ہے۔ تو حالت مایوسی میں جرأت پیدا ہوئی۔

دشمن کے ہاتھ سے پیٹھ پر زخم کھاکر مرنا داخل بزدلی اور بے شرمی خیال کیا۔ لاچار ایک گانو کے متصل ایک دیوار کے ساتھ دشمن کیطرف مونہہ کرکے کھڑے ہو گئے۔ تاکہ جو زخم لگے۔ آگے سے لگے۔ اور سنمکھہ ہو کر مرین۔ حملہ آور سوار تعاقب کرتے کرتے بہت نزدیک آپہونچے تھے۔ اُنہون نے جب اُن کو اس طرح سے نزدیک دیکھا۔ تو ایک باڑھ جہاڑ دی۔ جس سے سب کا کام یکبارگی تمام ہوا۔ اور وہ راجہ ہیرا سنگھ جو کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا متبنی تھا۔ اور جس کی

جدائی مہاراجہ رنجیت سنگھ کو ایکدم کیواسطے بھی منظور نہیں ہوتی تھی - اس نمکحرام اور احسان فراموش فوج کے ہاتھ سے کہ جس کی طلب میں اُنہوں نے فیاضانہ ایزادی کی تھی محض اس الزام پر کہ جلا پنڈت اُن کے حوالہ کیوں نہیں کیا گیا - اس ذلت اور خواری سے ۲۱ - دسمبر سنہ ۱۸۴۳ء کو مارا گیا - اور اُس کا تمام اسباب ہاتھوں ہاتھ لوٹا گیا -

میان سوہن سنگھ کا مارا جانا

۲۱ - دسمبر سنہ ۱۸۴۳ء کو جو شخص راجہ ہیرا سنگھ کے ساتھ مارے گئے تھے - اُن میں سے ایک شہید میان سوہن سنگھ بھی تھا - جو راجہ گلاب سنگھ کا دوسرا لڑکا تھا - وہ راجہ ہیرا سنگھ کے پاس تھوڑے سے عرصے سے بطور یرغمال کے مقرر تھا اور ضرورت اُس کی یرغمالی کی اس طرح پڑی تھی - کہ جب راجہ سوچیت سنگھ کے مارے جانے کی خبر جموں میں پہونچی - راجہ گلاب سنگھ بہت گھبرایا - اور رنج و افسوس سے یوں گویا ہوا کہ افسوس ہے - کہ اب راجہ ہیرا سنگھ اپنے بزرگوں کو مار مار کر کُل ہتھیا بھی کرنے لگا ہے -

راجہ ہیرا سنگھ راجہ گلاب سنگھ سے پہلے سے ہی ناراض تھا - اُس کا خیال تھا - کہ راجہ دھیان سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ کی جاگیریں اور تمام دولت راجہ گلاب سنگھ نے زبردستی سے دبا رکھی ہیں - اور جب اُس نے سنا - کہ اب راجہ مذکور اُس کو کُل ہتھیا کا الزام بھی لگاتا ہے - تو اور بھی رنجیدہ ہو کر فوراً بیس پلٹنیں پیادہ فوج کی معہ ضروری حصہ توپخانہ اور رسالہ کے جموں پر حملہ کرنیکے لئے روانہ کردیں - اور وجوہات لشکرکشی کی حسب ذیل ظاہر کیں -

(۱) کہ راجہ گلاب سنگھ نے کچھ عرصہ سے ملک کا مالیہ ادا نہیں کیا - اسواسطے یہ مالیہ بہ ایزادی سوائی کے وصول کیا جاوے -

(۲) راجہ دھیان سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ کی جاگیریں اور ملکیت سے وہ بیدخل

کیا جائے (۳) راجہ گلاب سنگھ لاہور میں حاضر رہ کر نوکری دیا کرے۔ لیکن جس آہستگی کے ساتھ لشکر کشی ہوئی۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ راجہ ہیرا سنگھ اصل میں لڑنا نہیں چاہتا تھا۔ بلکہ حملہ کی دھمکی دیکر اپنے باپ کی دولت اور چچا کی ملکیت کا حصہ وصول کرنا چاہتا تھا۔ اُس کی یہ حکمت عملی تو خوب تھی لیکن ہاتھی سے گنا لینا آسان نہیں ہے۔ راجہ گلاب سنگھ ان گیدڑ بھبکیوں میں کب آنے والا تھا۔ ادہر لشکر کشی ہوئی۔ اور ادہر راجہ گلاب سنگھ نے بھی جنگ کی تیاری کی۔ اور مشہور یہ کرا دیا۔ کہ امیر دوست محمد والی کابل اور سردار تیجا سنگھ پشاور کا گورنر اُس کی مدد دینے کو تیار ہے۔ بلکہ جہلم اور اٹک کے درمیان کا علاقہ بھی اُس کی تحریک پر بغاوت کرنیوالا ہے۔

نتیجہ اس شہرت کا یہ نکلا۔ کہ جب راجہ ہیرا سنگھ معہ فوج کے ستواری میں پہونچا تو بجائے فوج کے وہاں سے راجہ گلاب سنگھ کے پاس جموں میں صرف ایک سفارت بھیجی گئی۔ جس میں دیوان دینا ناتھ۔ بھائی رام سنگھ۔ اور شیخ امام دین شامل تھے۔

راجہ صاحب موصوف اس سفارت کے ساتھ عمدگی سے پیش آئے اور سفارت کے ذہن نشین یہ بات کرائی۔ کہ راجہ ہیرا سنگھ کا چھوٹا بھائی میرے پاس آکر مجھکو جو کہیگا۔ میں اُس کا کہنا مان لونگا۔ اس فیصلہ کے مطابق سفارت واپس ہوئی۔ اور میاں جواہر سنگھ جموں میں بھیجے گئے۔ جس سے راجہ گلاب سنگھ صاحب کمال محبت سے بغل گیر ہو کر بولے کہ راجہ دھیان سنگھ کا دستور تھا کہ ہر روز صبحدم پہلے میرے پاس آتا تھا۔ اور پھر پیچھے سے دربار کو جاتا تھا میری بدنصیبی سے وہ مارا گیا۔ اور اب تم بجائے راجہ دھیان سنگھ کے ہو۔ مجھکو اُمید ہے۔ کہ راجہ ہیرا سنگھ تمہارا کہنا ضرور مانیگا۔ پہلے اُس نے راجہ سوچیت سنگھ کو مارا۔ اور اب اُس نے مجھ پر لشکر کشی کی ہے۔ معلوم نہیں کہ اپنے بزرگوں کی خونریزی کر کے وہ کیوں ناحق بدنام ہوتا ہے۔ اور کل ہتھیا

کا پاپ اپنی گردن پر بار بار کیون چڑہاتا ہے۔ اگر اُس کو ملک کی ضرورت ہے تو مجھکو اس میں بھی کوئی عذر نہیں ہے۔ لیکن میرا اور اُس کا جنگ کرنا کسیطرح مناسب نہیں۔

راجہ صاحب مذکور کی اس تقریر نے میان جواہر سنگھ کے دل پر ایسا اثر کیا۔ کہ وہ فوراً استواری میں اپنے بھائی کے پاس واپس گیا۔ اور نہایت عاجزی سے سمجھایا۔ کہ ایک چچا مارا گیا۔ اُس کی بدنامی ابھی دور نہیں ہوئی۔

اب آپ نے دوسرے چچا پر لشکر کشی کردی ہے۔ باہمی خونریزی سے ایک تو اپنا خاندان ہی کمزور ہوتا ہے۔ دوئم کل ہتھیا ہوتی ہے۔ جو چھتریون کے دہرم کے برخلاف ہے۔ میان جواہر سنگہ کی اس عرض و معروض کا جسمین دیوان دینا ناتھ نے بھی بہت مدد دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ راجہ ہیرا سنگھ نے فوج کو واپسی کا حکم دیا۔ لیکن آیندہ اطمینان کیواسطے قرار یہ پایا۔ کہ میان سوہن سنگھ لاہور میں راجہ گلاب سنگھ کیطرف سے بطور یرغمال کے رہے۔ اور راجہ ہیرا سنگھ کے طرف سے جموں میں میہان جواہر سنگھ رہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

جب راجہ ہیرا سنگھ جلّا پنڈت کو ساتھ لیکر لاہور سے بھاگا۔ میان سوہن سنگھ بھی اُس کے ساتھ تھا۔ راجہ گلاب سنگھ کو لاہور دربار کی ہر ایک بات کی خبر ایک ایک منٹ میں پہونچا کرتی تھی۔ جب اُس نے سنا کہ فوج ہیرا سنگھ سے بگڑ گئی ہے۔ تو اُس نے لاہور میں دیوان نہال چند کو بھیجا۔ اور اُس کے ذریعہ راجہ ہیرا سنگھ کو یہ پیغام پہونچایا۔ کہ فوج کو ناراض رکھنا عقلمندی میں داخل نہیں ہے۔

فائدہ اسی میں ہے کہ جلّا پنڈت کو فوج کے حوالہ کردو۔ لیکن جب راجہ ہیرا سنگھ نے اس مشورہ کو نہ مانا۔ تو دیوان نہال چند نے لاچار ہو کر میان سوہن سنگھ سے الگ ملاقات کی۔ اور اُس کو سمجھایا۔ کہ فوج کے ہاتھ سے راجہ ہیرا سنگھ کا بچنا مشکل ہے۔ ایسی جلتی آگ میں آپکا یہان رہنا سخت خطرناک ہے

اور مہاراجہ صاحب کا حکم ہے - کہ آپ جموں کو چلے آویں لیکن میاں سوہن سنگھ نے اس بات کو منظور نہیں کیا - اور کہا کہ جس شخص کے ساتھ کھانا پینا اور نشست و برخاست اکٹھی تھی - اُس کو اس مصیبت کے وقت میں اسطرح تنہا چھوڑ کر آپ جان بچا کر نکل بھاگنا انسانیت میں داخل نہیں ہے - یہ سنکر دیوان نہال چند لاچار واپس لوٹا - اور میاں سوہن سنگھ شہید ہونے کے خیال سے اخیر دم تک راجہ ہیرا سنگھ کے ساتھ رہا چنانچہ جب راجہ ہیرا سنگھ مارا گیا - تب وہ بھی مارا گیا -

سردار جواہر سنگھ کی وزارت اور ہلاکت اور بُرچھوں کی بدمستیاں اور وحشت

راجہ ہیرا سنگھ کے مارے جانے کے بعد رانی جندان نے مدار المہامی کی استروان کی مالا اپنے بھائی سردار جواہر سنگھ کے گلے میں ڈالی - لیکن سردار جواہر سنگھ نے جس ذلالت کے ساتھ راجہ ہیرا سنگھ کو فوج کے ہاتھ سے قتل کرایا تھا - آخرکار وہ بھی اسی ذلالت سے ۲۱ ستمبر سنہ ۱۸۴۵ء کو اوسی فوج کے ہاتھ سے مارا گیا - اور باعث اُس کے مارے جانے کا یہ ہوا کہ اُس کی وزارت میں خالصہ سلطنت کی مہاراجگی کا دعویدار پشاورا سنگھ ہوا - جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا نامنہاد بیٹا کہلاتا تھا - اور گوجرانوالہ کا جاگیردار تھا -

پشاورا سنگھ نے دو دفعہ حکومت کا دعوی کیا - ایک دفعہ جب وہ دعویدار ہو کر لاہور میں پہونچا - تو رانی جندان نے اُس کے ساتھ بہت اچھا آو بھگت کیا - حتے کہ دربار میں بھی اُس کو مہاراجہ دلیپ سنگھ کے ساتھ مساوی درجہ پر بیٹھایا مگر جواہر سنگھ کو یہ بات نامرغوب ہوئی - جس پر پشاورا سنگھ حسب مشورے اپنے دوستوں کے بہکوے آدسے پر جنرل ابوطویلہ کے مکان میں جا اوترا - اور فوج نے اس کو سلامی دیکر اُس کی مددگاری پر کمر باندھی فوج کی اس حرکت سے سردار جواہر سنگھ اس قدر خوف زدہ ہوا - کہ اپنی ہمشیرہ کے مشورہ سے اُس نے فی سپاہی عـــہ کا کنٹھہ دینے کا وعدہ

کیا۔ جس پر تخت پر بٹھانے والی اور تخت سے اُتارنے والی فوج نے اُس سے خوش ہو کر پشاورا سنگھ کو لاہور سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔ دوسری دفعہ پشاورا سنگھ جو کہ دراصل ایک نالایق شہزادہ تھا اٹک کو چلا گیا یہاں وہ گرد و نواح کے مسلمان سردارون کی امداد سے قلعہ اٹک پر قابض ہو گیا۔ اور پنجاب کا مہاراجہ بن کر دوست محمد خان امیر کابل کے ساتھ خط و کتابت کرنے لگا۔

وزیر جواہر سنگھ نے یہ خبر سن کر اُس کی سرکوبی کے لیے لاہور سے کچھ فوج بھیجی۔ جس نے وہان جا کر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے فرضی لڑکے کے ساتھ مقابلہ کرنا داخل نمکحرامی تصور کیا۔ اور اوس کے ساتھ جنگ کرنے سے انکار کر دیا۔ اب اوس کے دماغ کا کیڑا نکالنے کے لیے سردار چتر سنگھ اٹاری والہ جو کہ مہاراجہ دلیپ سنگھ کا سسر تھا۔ اور فتح خان ٹوالہ جو ڈیرہ اسماعیل خان کا سردار تھا مقرر ہوئے۔

ان دونون سردارون نے اٹک مین داخل ہو کر جب جنگجوئی مین مطلب برآری نہ دیکھی۔ تو نامہ پیغام سے کام لیا۔ اور اُس کی جاگیر مین ایک لاکھہ روپیہ کا اضافہ کر کے اوس کو یقین دلایا۔ کہ وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا بیٹا تسلیم ہوگا۔ اور اوس کو اجازت دی جاویگی۔ کہ لاہور مین شاہی اعزاز اور شان و شوکت کے ساتھ آمد و رفت کیا کرے۔ سرداران مذکور کی شیرین زبانی اور مکاری سے سادہ لوح شہزادہ اسقدر جہانسہ مین آیا۔ کہ ۳۰ ماہ اگست کو قلعہ خالی کر کے اُن کے پاس چلا آیا۔ اور اُنہون نے اُس کو برخلاف اپنے وعدون کے فوراً کالا برج مین قید کر کے بوقت شب اُس کا گلا گھونٹ کر اوسکی لاش کو دریائے سندھ مین پھینکدیا۔ سردار جواہر سنگھ نے اس مژدہ کو سنکر جو دراصل اُس کی موت اور بربادی کا پیغام تھا۔ بہت خوشی کی۔ توپون کی سلامی اور چراغانہ کی روشنی سے

سکل لاہور کے کان کہڑے کر دیے۔

مگر جب فوج کو معلوم ہوا کہ پشاورا سنگھ کو وزیر مذکور نے دغا بازی سے مروا ڈالا ہی تو فوجی برچھون کی نمکحلالی کے خون نے اُن کی رگون میں جوش مارا۔ اُسکے خون کے پیاسی ہو گئے۔ اور اُس رہی سہی ڈوگرہ جماعت نے جو ہنوز لاہور میں موجود تھی۔ اور جس کا سرغنہ میان پرتہی سنگھ ولد میان اربیل سنگھ تھا۔ جب دیکھا کہ ڈوگرہ قوم کے دشمن سردار جواہر سنگھ کو نیست و نابود کرنیکا وقت آگیا ہے۔ تو اُنہون نے بھی اپنے فوجی بھائیون کو لون مرچ لگا کر خوب اشتعال دلایا۔ اور اُس کی مخالفت کی آگ اس حد تک بھڑکائی۔ کہ بجز دو باڑہی گارڈ پلٹنون کے جو خاص جواہر سنگھ کی تہیں۔ کل فوج نے اتفاق کر لیا۔ جس پر فوجی پنچون نے ادہر تو کچھہ فوج بھیجکر جواہر سنگھ کی طلبی کی۔ اور ادہر قلعہ کا بھی محاصرہ کر لیا۔

وزیر مذکور مایوسی کی حالت میں جب فوج میں حاضر ہونے پر تیار ہوا۔ تو رانی جندان نے بھی اُس کی ہمراہی پر کمر باندہی اور اس طرح وزیر کی سواری کا ایک بڑا بھاری جلوس بنگیا۔ رانی جندان معہ اپنی تمام گولیون کے فیل سوار ہوئی۔ کچھہ کنیزین خاص اُس کے ہاتھی پر ادر پس ماندہ اور ہاتھیون پر سوار کرائی گئیں۔ چند ہاتھیون پر روپیون اور اشرفیون کے توڑے لادے گئے۔

باوا نراین سنگھ اور بھائی چتو جو سکھون کے پیشوا تھے۔ وہ بھی رفاقت کا دم بھرنے کو ساتھ ہوئے۔ جواہر سنگھ خود جس ہاتھی پر بیٹھا۔ اُس نے مہاراجہ دلیپ سنگھ کو بھی اُسی ہاتھی پر اپنی گود میں بٹھا لیا۔

ایک ہزار حمایتی فوج نے بھی ساتھ دیا۔ اور ۲۱ ستمبر کو وزیر مذکور اس تمام جلوس کے ساتھ فوج میں گورو کا نام لیکر حاضر ہو گیا۔ جہان رانی اور وزیر نے فوج سے معافی مانگی۔ داد و دہش سے بھی کام لینا چاہا۔ مگر فوجی برچھیون نے جواہر سنگھ کے ہاتھی کو گہیر کر دلیپ سنگھ کو اس سے جبراً چھین لیا۔ جس پر جواہر سنگھ نے

ہاتھ جوڑ کے بہت عاجزی کی۔ اور کہا کہ پہلے میری ایک بات سن لو تو پھر جو چاہو سو کرو۔ کہ اتنے مین کسی شخص نے بائین طرف سے ایک ضرب تلوار کی رسید کی۔ دوسری طرف سے کسی نے سر مین گولی ماری۔ جس کے لگنے سے وزیر ہاتھی کے ہودے سے زمین پر گر پڑا۔ باوا نراین سنگھ اور بھائی بھی مارے گئے۔ جو دولت داد و دہش کیواسطے ہمراہ لائی گئی تھی۔ وہ لوٹی گئی اور وزیر کی لاش گھسیٹی گئی۔

رانی کیواسطے پنچون نے پہلے سے ہی خیمے لگا رکھے تھے۔ وہ جبراً مع اپنی خواصون کے ان خیمون مین رکھی گئی۔ اور دلیپ سنگھ فوج مین سکونت پذیر کیا گیا۔ رانی رات بھر پیٹتی رہی۔ صبحدم اُس کو لاش بھی دکھائی گئی۔ جس کو دیکھکر اُس نے سخت سیاپہ کیا۔ دو دفعہ خود بھی لاش پر گر پڑی۔ اور دلیپ سنگھ کو بھی لاش پر پھینکا۔ دوپہر تک اُس نے لاش کو اپنے سے جدا نہونے دیا۔ آخرکار کچھ زور سے اور کچھ زاری سے کام لیا گیا۔ اور وہ لاش سے بصد مشکل جدا کی گئی۔ جس کے بعد لاش مذکور [illegible] سرداران مستی دروازہ کے باہر پہونچ گئی۔ اور مقتول کی عورتین بھی اُس کے ساتھ ستی ہوئین۔ مگر فوجی برچھون کے اخلاق اب ایسے بگڑ گئے تھے۔ کہ ستیون کا بھی ادب نہیں کیا۔ ستی ہونے والی سرداریان جسقدر زیورات اور جواہرات دان کرنیکیواسطے اپنے ساتھ لائی تھین۔ ان شیطان صورت اور حیوان سیرت مردم نما نامرد برچھون نے صرف اُن کے لوٹنے پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ جھپٹ جھپٹ کر اُن کی کانون کی بالیان اور ناکون کی نتھنیان بھی اُتار لین۔ حتے کہ جب وہ اپنی جان کا خاتمہ کرنیکیواسطے چتا پر سوار ہوئین۔ ان دشمنون نے اُس وقت اُن کے قیمتی پارچون کی زری اور گوٹہ کے لالچ سے جھپٹ مار مار کر ان بیچاریون کے دامن بھی پھاڑ ڈالے۔

بیکس ستیون کے ساتھ جب اس قدر ظلم ہوا۔ اور کوئی شخص اُنکو جیتی

کی ان دست درازیون سے نہ بچا سکا۔ تو لاچار ستیون نے جلنے سے پیشتر اپنے ہاتھ آسمان کیطرف بلند کر کے یہ دعا مانگی۔ کہ ہے پرم آتما تو کل سکھہ قوم کا بیڑا غرق کرے۔ اور آخر کار ایسا ہی ہوا۔

جب لاش جل گئی تو رانی بھی قلعہ میں داخل ہوئی۔ مگر بھائیون کے قاتلون کی تلاش میں سخت سرگرم رہی۔ اور دستور یہ پکڑا کہ روزمرہ اپنی خواصون کو ہمراہ لیکر شہر میں سے گریہ وزاری کرتے ہوئے بھائی کی سماوہ پر جایا کرتی تھی۔ چند ہفتون تک اس کا لگاتار یہی معمول رہا۔ جس پر فوج کے پنچون نے یا یون کہو کہ وحشی برچھون نے اُس کو خوش کرنیکے واسطے بہت عذرخواہیان کیں۔ اور آخر کار جواہر مل ڈوگرہ کو جو کہ راجہ سوچیت سنگھ کا دیوان تھا۔ قاتل قرار دیکر اُس کے حوالہ کیا۔ اور میان پرتھی سنگھ وغیرہ دیگر ڈوگرون کا بھی جنہون نے کہ فوج میں روپیہ تقسیم کیا تھا۔ سازشیون کی فہرست میں نام ظاہر کیا۔ جس پر یہ تمام ڈوگرے پنجاب سے نکالے گئے۔

اب رانی نے ایک کونسل بنائی۔ جس کے ممبر دیوان دینا ناتھ۔ بھائی رام سنگھ اور راجہ لعل سنگھ قرار دئے گئے۔ گو رانی دلیپ سنگھ کے نام سے اس کونسل کے مشورے سے ملک کی حکومت خود کرتی تھی۔ لیکن اصلی طاقت اور حکومت فوجی برچھون اور اُن کے پنچون کے ہاتھ میں تھی۔ یہ سب وزارت کا عہدہ راجہ گلاب سنگھ کو دینا چاہتے تھے۔ جو واقعی طور پر عمدہ انتخاب تھا۔ لیکن اُس نے وزیر بننے سے انکار کیا۔

کچھ دنونکے بعد رانی نے سردار لعل سنگھ کو وزیر بنانا چاہا۔ لیکن فوج نے رانی مذکورہ کے اس انتخاب کو اس واسطے ناپسند کیا۔ کہ وہ عام طور پر اُس کا آشنا خیال کیا جاتا تھا۔ اور اس پر وزارت کا عہدہ سردار تیجا سنگھ کی نذر کیا گیا جو جمعدار خوشحال سنگھ کا بھتیجا اور پشاور کا صوبہ تھا۔ مگر اُس نے بھی انکار کر دیا۔

نوٹ۔ جو روپیہ ڈوگرون نے وزیر جواہر سنگھ کے برخلاف تقسیم کیا تھا وہ انکو سردار لال سنگھ سے لے لیا تھا

آخر کار راجہ گلاب سنگھ ۔ راجہ لعل سنگھ اور سردار تیجا سنگھ وزارت کے اُمیدوار قرار دئے گئے ۔ اور تجویز یہ ٹھہری ۔ کہ ان تینیون کے نام کی چٹھیان مہاراجہ دلیپ سنگھ کے آگے رکھی جاوین اور جس کے نام کی چٹھی کو وہ اُٹھا لیوے ۔ وہی وزیر قرار دیا جاوے ۔

اس تجویز کو فوج نے بھی قبول کیا ۔ اور سب کی موجودگی میں اس پر عمل درآمد ہوا لیکن ملک کی بدنصیبی سے مہاراجہ دلیپ سنگھ نے وہی چٹھی اُٹھائی جس پر کہ لال سنگھ کا نام لکھا ہوا تھا ۔ اب سردار لال سنگھ وزیر اعظم اور سردار تیجا سنگھ فوج کا سپہ سالار بنا ۔ مگر فوج اس انتظام سے دراصل ناشاکی رہی ۔ اس لئے کچھ عرصہ کے بعد انہون نے پھر سرکشی ظاہر کرنی شروع کی تھی کہ مہاراجہ شیر سنگھ کے بیٹے کو بادشاہ بنانا چاہا ۔ اب رانی نہ ان کا مقابلہ کر سکتی تھی ۔ اور نہ اُن کو رشوت دیکر اپنا طرفدار بنا سکتی تھی ۔ کیونکہ خزانے خالی تھے ۔ اور اُس کا چال وچلن اچھا نہیں خیال کیا جاتا تھا اس واسطے اُس نے اپنے سردارون اور وزیرون کے مشورے سے فوج مذکور کو ترغیب دی ۔ کہ حدود انگریزی میں داخل ہو کر ہندوستان کو فتح کرے ۔ یہ وہ تجویز تھی ۔ کہ جس نے آخر کار سکھون کی حکومت کا بھی خاتمہ کر دیا اور بچی بُرچھون کا نشہ بھی کرکرا ہوا ۔

کوتاہ اندیش اور نمکحرام اہلکارون کی اولاد بھی اس سرداری کے درجہ سے جس پر اُن کو شیر پنجاب نے پھونچایا تھا گر گئی ۔ اور اُس مہاراجہ رنجیت سنگھ کی اولاد بھی کہ جس نے پنجاب کے چھوٹے چھوٹے سردارون کو ایک عظیم الشان سلطنت کے ماتحت کر کے پنجاب کو مسلمہ طاقت بنا دیا تھا ۔ ایسی ذلیل ہوئی ۔ کہ اُس کا نام و نشان ہی نہ رہا ۔

خالصہ فوج کا حدود انگریزی میں داخل ہونا

یہہ معلوم نہیں ہوتا کہ رانی جنداں اور اُس کے اہلکارون نے خالصہ فوج

کو حدود انگریزی میں داخل ہونیکا کیون حکم دیا۔ بعضون کے نزدیک یہ خطرناک مشورہ اس مجبوری سے دیا گیا تھا۔ کہ بخیال اُن کے سرکار انگریزی کسی قسم کی مداخلت یا دراز دستی کرنے لگی تھی کیونکہ رانی جندان کے پاس متواتر رپورٹین آتی تھیں۔ کہ حکام انگریزی نے ستلج کے پار کا بیشمار علاقہ دبا لیا ہے۔ اور حملہ کرنے کیواسطے بھی لشکر جمع ہو رہی ہے۔ اکثر مورخون کا یہ خیال ہے۔ کہ بیرونی خطرہ کوئی بھی نہیں تھا۔ یہ تجویز صرف سرزور اور مونہہ زور خالصہ فوج کا سر کچلنے کیواسطے کی گئی تھی۔ تا کہ وہ پہاڑ کے ساتھ ٹکر لگا کر سر پھوڑ مرے۔ بعضی باریک بین نگاہون کا یہ خیال ہے۔ کہ خالصہ سلطنت کی مسلسل خانہ جنگیون اور خونریزیون سے انگریزی پولٹیکل افسرون کو پولٹیکل فایدہ اُٹھانیکی سوجھی۔ اس واسطے اُنہون نے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ سرحدی بیوقوف سکھ حکام نے یا تو جہالت سے یا نمک حرامی سے سچی جھوٹھی رپورٹین حکام انگریزی کے برخلاف بھیجکر دربار لاہور کو انگریزون سے بدظن کرا دیا۔

اسی قسم کی اور بھی بہت سی وجوہات اس حملے کی تائید اور تردید میں ظاہر کیجاتی ہیں۔ لیکن اصلی وجہ کوئی بھی معلوم نہیں ہوتی۔ میرے نزدیک نہ تو سرکار انگریزی نے کوئی علاقہ دبایا ہوگا اور نہ کسی پولٹیکل افسر نے کوئی سازش کی ہوگی قرین قیاس یہ وجوہات ہیں کہ خالصہ فوج کی بددماغی اور بدمستی دیکھکر ضرور ہے کہ سرکار انگریزی نے تو اپنی سرحدی چوکیون پر اس واسطے فوج زیادہ کی ہو۔ کہ خالصہ لوگ انگریزی علاقہ میں بھی بدامنی پھیلانے کی جرات نہ لاسکین۔ جیسا کہ اُنکی بدحوصلگیون سے پایا جاتا تھا۔

لیکن بار لوگون نے انگریزی فوجی فراہمی اور نقل و حرکت کو کسی اور نظر سے دیکھکر دربار لاہور میں خواہ مخواہ کی بدظنی پھیلائی ہوگی یا وجہ جس سے حواس باختہ اور بدنصیب رانی چندان نے انگریزی فوج کی اس احتیاط کو حملہ کی تیاری خیال کرکے بیوقوف اہلکارون کے مشورہ سے ادہر تو اپنا بچاؤ اسی میں سمجھا ہو کہ ادہر سے ہی حملہ کر دیا جائے

اور اُدھر بھی خیال کیا ہو۔ کہ خالصہ فوج سے محفوظ رہنے کی ترکیب یہی ہے کہ اُس کو انگریزوں کے ساتھ لڑا مارا جائے۔

اگر ان وجوہات میں سے کوئی وجہ بھی درست ہے یا بالفرض محال، اگر یہ بھی مان لیا جاوے کہ اس قسم کا حکم صادر کرنے کے لئے کوئی بیرونی سازش بھی۔ یا واقعی طور پر خالصہ دربار کو کوئی بیرونی خطرہ محسوس ہوا تھا۔ جیسا کہ یقین دلایا جاتا ہے۔ تو پھر یہ بھی مان لینا پڑتا ہے۔ کہ جن بھولے بھالے اہلکاروں نے فوج کو رانی جنداں سے ایسا حکم دلوایا۔ اگر وہ نمکحرام نہیں تھے۔ تو کم از کم شیخ چلی کیطرح کج فہم تو ضرور تھے۔ اور اگر اپنے ملک اور مالک کے دشمن بھی نہیں تھے۔ تو اُن کے دوست نادان ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔ کیونکہ جس شخص کی عقل نہایت موٹی ہو۔ اُس کو بھی صاف طور پر یہ نظر آسکتا تھا۔ کہ ایسا گھر پھونکنے والا حکم دینے سے صرف جنگ پیشہ سکھ ہی کمزور نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ جو قیمتی سامان جنگ اُن کے پاس تھا۔ اس سے بھی انکو ہاتھ دھونا پڑتا تھا۔ اور جو قیمتی آلات جنگ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنی تمام عمر میں جمع کئے تھے۔ وہ بھی دریا میں پھینکنے پڑتے تھے۔ اور علاوہ ازیں بیتواندہوں کو بھی نظر آرہا تھا۔ کہ دریائے ستلج کے پار ایک شیر ببر کھڑا تھا۔ جو صرف شکار کھیلنے کا ہی عادی نہیں۔ بلکہ بدمست شکاری کو اس واسطے بھی پھاڑ ڈالتا تھا کہ مبادا وہ کسی وقت کوئی نقصان نہ پہونچا سکے اور یہ شیر مدت سے دم ہلا ہلا کر اور بھبکیاں دے دے کر اس بات کا خواہشمند تھا۔ کہ کاش کوئی ایسی صورت پیدا ہو کہ وہ اس دریائے عمیق کو کود پھاند کر بلا کسی روک ٹوک کے لاہور میں داخل ہو سکے۔ تاکہ وہاں کی بھیڑ اور بکریوں کو اپنا لقمہ بنانے میں کامیاب ہو۔ پھر یہ بھی آفتاب کیطرح نظر آرہا تھا۔ کہ ایسی حالت میں اگر سکھوں کی فوج اس گرجنے والے شیر کے سرہانے پر جا کر نقارے بجائیگی۔ تو شیر مذکور خشم آلودہ ہو کر صرف اُن کے سر کو ہی نہیں آدبوچیگا۔ بلکہ اُن کی لاانتہا لاشوں کو دریا میں پھینک کر اُن پر سے جستیں لگاتا ہوا لاہور میں بجلی کیطرح آپہونچیگا۔ اور وہاں جس دمہ کو

اپنی خوراک کے لایق سمجھیگا۔ اُس کو کمال آزادی کے ساتھ چیر پھاڑ کر اُس کے شیرین خون سے اپنا حلقوم تر کریگا۔

بہر حال یہ کہنا مشکل ہے۔ کہ سکھون کی فوج انگریزون کے ساتھ کس نیت سے لڑائی گیئی۔ لیکن یہ ایک واقعی امر ہے۔ کہ ایسا حکم دو دفعہ دیا گیا۔

پہلا حکم معرض التوا میں اس واسطے پڑا۔ کہ سامان جنگ بہم نہ پہونچ سکا۔ اور رانی جندان اسی تشویش میں پہلے امرتسر کو گیئی پھر وہان سے باغ شالامار میں پہونچی۔ جہان اُس کے وزیرون نے پہلے تو یہ مشہور کیا۔ کہ انگریز لوگ دریائے ستلج کو عبور کر کے خالصہ عملداری کی حدود میں داخل ہو کر پنجاب کی رعایا سے باج مانگتے ہیں۔ بلکہ اس بیان کی تائید میں اُنہون نے تحریری دستاویزین بھی پیش کیں۔

پھر ماہ نومبر میں ایک عام دربار لگایا گیا۔ جس میں بموجودگی منجملہ سرداران اور فوجی پنچون کے دیوان دینا ناتھ نے ایک چٹھی پیش کی۔ اور کہا کہ یہ چٹھی ایک سکھ کاردار نے حدود ستلج سے بھیجی ہے۔ اور اسمیں لکھا ہے کہ انگریز لوگ ستلج کے اسطرف آکر رعایا سے باج مانگتے ہیں۔ اور لوگون کو سخت تکلیف دیتے ہیں۔ اس چٹھی کے سنانے کے بعد یہ بھی واضح کیا گیا تہا کہ کشمیر اور پشاور ہمارے ہاتھون سے نکلا جاتا ہے۔ اور اُن دونون علاقون سے اب ایک کوڑی بھی خزانہ سلطنت میں داخل نہیں ہوتی ہے۔

اس کے بعد ایک روز مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سمادہ پر ایک اور اجلاس کیا گیا۔ جس میں سردار لعل سنگھ وزیر اعظم اور سردار تیج سنگھ سپہ سالار فوج قرار پایا۔ یہہ دونون سردار کسی طرح سے بھی ان جلیل القدر عہدون کے لایق تھے یہان فوجی پنچون نے قسمین کہائین۔ کہ وہ مہاراجہ دلیپ سنگھ کی نمک حلالی اور جدید وزیر اعظم اور سپہ سالار فوج کی فرمانبرداری کرینگے۔

اس اجلاس میں پھر شکایت کی گیئی۔ کہ انگریز ستلج کے اس طرف اُتر آئے ہیں۔ اور رعایا سے باج مانگتے ہیں۔ اپنی حدود میں مورچہ بندیان کر رہے ہیں۔ راجہ

سوچیت سنگھ کا ۱۶ - لاکھ روپیہ جو خزانہ فیروزپور میں تھا۔ اُس کے دینے سے انکاری ہیں۔ اور خالصہ فوج کو سوائے ادا کرنے محصول کے ستلج کے جنوب میں پروانہ راہداری دینے سے انکاری ہیں۔ سندھ میں انگریزی فوج ملتان پر حملہ کرنیکے لئے آراستہ ہو رہی ہے۔ اور ستلج پر پل بنانے کے واسطے بمبئی میں کشتیاں تیار ہو رہی ہیں۔

اس قسم کی جوش پیدا کرنے والی وجوہات کے بعد کڑاہ پرشاد تقسیم ہوا۔ اور ۱۸ دسمبر ۱۸۴۵ء کو پچاس ہزار خالصہ فوج معہ ۱۰۸ توپوں کے ہری کے پتن سے پار ہو کر سرکار انگریزی کو مغلوب اور شہر دہلی اور بنارس کی لوٹ سے اپنے ہاتھ رنگنے کے خیال سے فیروزپور کی طرف بڑھی۔

اس وقت ہندوستان کے گورنر جنرل سر ہنری ہارڈنج اور سپہ سالار فوج سر ہوج گف صاحب تھے۔ اب جنگ شروع ہو گیا۔ خالصہ فوج کی کمان افسر سردار لال سنگھ تھے۔

اور انگریزی فوج کی رہبری ایک طرف سے سر ہیوج گف اور دوسری طرف سے خود گورنر جنرل کر رہے تھے۔

دونوں نوبتوں میں پانچ جنگ ہوئے۔ پہلا جنگ مدکی کے نزدیک۔ دوسرا جنگ فیروزشہر کے نزدیک۔ تیسرا جنگ بدووال میں۔ چوتھا جنگ علیوال پر ہوا اور پانچواں جنگ سبراؤں میں۔

ان جنگوں میں انگریزی فوج کے افسروں نے قوم اور ملک کی عزت اور ناموری کو قائم رکھنے کیواسطے اپنے فرض منصبی کو سمجھا اور ان کیطرح نہایت بہادری اور جانفشانی سے ادا کرکے خوب داد شجاعت دی۔ لیکن سردار لال سنگھ اور تیج سنگھ کی بابت بجز مکاری و دغابازی۔ نمک حرامی اور بزدلی کے [illegible] دونوں سرداروں کی حرکتوں سے یہ صاف طور سے معلوم ہو رہا تھا۔ کہ وہ اپنی فوج کو [illegible] کے مقابلہ کیواسطے نہیں لیجا رہے تھے۔ بلکہ دشمن سے انکی

گلا دیدہ و دانستہ کٹوا رہے تھے۔

سردار لعل سنگھ جس کو اپنی کرتوت معلوم تھی۔ اول تو ہر ایک منزل میں اپنی فوج سے اس خوف سے الگ رہتا تھا۔ کہ مبادا اُس کی فوج جو اُس کو سخت نفرت سے دیکھتی تھی۔ اوس کو نشانہ بندوق نہ بنا دیوے۔ دویم جب حملہ کرنیکا وقت ہوتا تھا۔ اوسوقت فوج کو پیچھے ہٹ جانے کا حکم دیتا تھا۔ اور جب پیچھے ہٹ جانا چاہئی تھا۔ تب آگے کو لیجا کر خود مفرور ہو جاتا تھا۔

مدکی کے جنگ میں جب سردار لعل سنگھ نے دیکھا۔ کہ گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی ہے۔ اور دونون فوجین خوب تندہی سے لڑ رہی ہیں۔ تو اپنی فوج کا حوصلہ بڑہانے کی جگہ وہ خود مفرور ہو گیا۔ لیکن سکھون نے اُس کی دغابازی کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اور بے سردار فوج خوب لڑتی رہی۔

اسیطرح ۲۲ دسمبر کے جنگ میں جب رات کی لڑائی میں انگریزی فوج کے انتظام کا تمام سلسلہ بگڑ گیا۔ تو سکھون کی فوج کیطرف سے قرار یہ پایا تھا۔ کہ جو خالصہ فوج جنگ میں مصروف ہے۔ وہ صبح دم پھر جنگ چھیڑ دیوے۔ اور دوران جنگ میں سردار تیج سنگھ اپنی پانچہزار پیادہ فوج اور ۷۰ توپون کے ساتھ جو اُسی روز پہونچی تھی اور تازہ دم تھی۔ انگریزی فوج پر حملہ کر دیوے۔ اگر اس تجویز کی تکمیل سردار تیج سنگھ دیانتداری سے کرتا تو رات کی بھوکی پیاسی اور گھبرائی ہوئی انگریزی فوج کا اُسدن شکست پا جانا کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ لیکن سردار تیج سنگھ نے بھی سردار لال سنگھ کی طرح دغابازی کی۔ جب فوج کو مدد کی ضرورت تھی۔ اُس وقت سردار مذکور چپ ہو رہا۔ اور جب لڑنے والی خالصہ فوج کا خاتمہ ہو گیا۔ تو اوس کے بعد اپنی پانچہزار فوج کو بھی نشانہ بندوق بنانیکواسطے آگے کو بڑہا۔ اور اُس کے بعد جب دیکھا کہ شکست یافتہ خالصہ فوج میں بھاجڑ پڑ گئی ہے۔ اور ستلج کو عبور کرنا چاہتی ہے تو خود دریا کے پار ہو کر کشتیون کا پل کٹوا ڈالا۔

ان سردارون کی اس قسم کی حرکات سے یہ مبالغہ میں داخل نہیں ہے اگر

اُنہون نے بجائے باروت کے اپنی لڑنے والی فوج میں رنگی ہوئی۔ سرسون تقسیم کی ہو۔ جیساکہ ان کے برخلاف عام طور پر کہا جاتا ہے۔ باوجود ان سردارون کی اس قسم کی دغابازیون اور بزدلیون کے انگریزی مورخون نے تسلیم کیا ہے۔ کہ بلے سردار سکھون کی فوج خوب لڑی۔ اور انگریزی فوج کا ان جنگون میں جسقدر نقصان ہوا ہے اس قدر نقصان اس سے پہلے ہندوستان کے اور کسی جنگ میں نہیں ہوا تھا۔ بلکہ چند افسر ایسے مارے گئے۔ جو نہایت نامی گرامی تھے۔ سکھون کی بہادری کی اگرچہ عموماً تعریف کی جاتی ہے۔ لیکن سردار شام سنگھ اٹاری والے کے بہادرانہ کارنامے آج تک مشہور ہیں۔ اس پیر مرد سچے سکھ نے پہلے تو سکھون کو سمجھایا کہ انگریزون کے ساتھ جنگ کرنا مناسب نہیں ہے اور جب جنگ جاری ہو گیا تو اوس نے اپنی سفید داڑھی کھول دی۔ اور بدن پر ایک سفید چادر لپیٹ کر شہید ہونیکے واسطے آگے کو بڑھا۔ قدم قدم پر گورو کی بانی پڑھکر اپنے سکھ بھائیون کا خوب حوصلہ بڑھاتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ گورو مہاراج اپنی بانی میں فرما گئے ہیں کہ سورما آدمی دائمی سوکھ کو پراپت ہوتا ہے۔ وہ ایک سچا بہادر آدمی تھا۔ اور ایک سچے بہادر آدمی کیطرح ملک اور قوم کیخاطر شہید ہوا۔ بوجہ جس کے اُس کا نام ہر جگہ عزت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

اسی طرح سے مسمی ہربا ایک فرنگی باشندہ ہسپانیہ نے جو کہ سکھون کا ملازم تھا۔ جو جنگی مورچہ بندیان اور تیاریان سکھون کو کر دی تھیں۔ اُن کی عظمت کی بہت تعریف کی جاتی ہے۔ بہرحال سکھون کی اُس فوج کو جس نے لوٹ مار کے خیال سے انگریزی علاقہ پر حملہ کیا تھا۔ ۱۱ فروری ۱۸۴۵ء کو کامل شکست ہوئی۔ ان تمام جنگون میں کہا جاتا ہے۔ کہ سکھون کے ۱۶ ہزار آدمی مارے گئے۔ اور انگریزی فوج کے نقصان کی تعداد دو ہزار مقتول اور پانچ ہزار زخمی تھی۔ لیکن حالات جنگ ظاہر کر رہے ہیں۔ کہ انگریزی فوج کا اندازہ لگانے میں کسی قسم کی غلطی ہوئی ہے۔ اور اغلباً اوسکی تعداد بہت کم ظاہر کی گئی ہے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ اور اُن کے مخالف

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی موت کے بعد لاہور مسلسل طور پر سازشوں خونریزیوں اور منصوبہ بازیوں کا مرکز بن گیا تھا۔ ہر ایک آدمی ایک دوسرے کے ساتھہ لڑائی بھڑائی میں مصروف تھا۔ جو شخص اپنے گھر سے نکلتا تھا۔ واپسی کی اُس کو کوئی اُمید نہیں ہوتی تھی۔ کسان مسلح ہونے کے بغیر ہل نہیں جوت سکتا تھا۔ اور یہ ہی کیفیت گڈریہ کی تھی۔ جو اپنی بھیڑوں کی حفاظت جان کو جوکھوں میں ڈالے بغیر نہیں کر سکتا تھا۔

بدعملی اور بدنظمی کا زور ہو گیا تھا۔ اور خالصہ حکومت بالکل کمزور ہو چکی تھی۔ جس سے ہر ایک مرد و بشر کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے ہوئے تھے۔ اندھیر مچا ہوا تھا۔ اور جا بجا لوٹ مار ہوتی تھی۔ لاہور کے گرد و نواح میں تو پھر بھی برائے نام تھوڑا بہت انتظام اور رعب وداب قائم تھا۔ لیکن دور دست اضلاع میں کسی قسم کی حکومت نہیں تھی۔

مہاراجہ شیر سنگھ کے عہد میں جب رانی چند کور کو نو لاکھ روپیہ کی اور جاگیر علاقہ چھبال میں ملی۔ اُس نے اپنی طرف سے اُس علاقہ کا تصرف کرنے کے واسطے وہاں مہاراجہ گلاب سنگھ کو بھیجا۔ اور اپنا لاکھوں روپیوں کا مال و اسباب نقد جنس جدید جاگیروں پہونچانیکے لئے مہاراجہ موصوف کے حوالہ کیا۔ جس کے بعد رانی مذکورہ جب مروا ڈالی گئی۔ تو اس دن سے مہاراجہ موصوف نے لاہور کا بگڑا ہوا رنگ دیکھکر وہاں کی آمد و رفت اور بود و باش ترک کر کے جموں کی رہائش اختیار کی اور اپنے بزرگوں کی اس چھوٹی سی پہاڑی ریاست کی اصلاح درستی اور خبرگیری میں مصروف ہو گئے۔ مطلب اس کنارہ کشی کا یہ تھا کہ مہاراجہ موصوف لاہور کے تنازعوں سے علیحدہ رہنا چاہتے تھے۔ اور ان فتنے اور فسادوں سے یہاں تک متنفر تھے۔ کہ [illegible] طلب کے

کبھی بھی لاہور میں نہیں آتے تھے۔ لیکن اُن کے مخالفون کو یہ کب منظور ہو سکتا تھا کہ بدعملی اور سازشون کی جو آگ لاہور میں لگی ہوئی تھی اونکی جان و مال تو اوس کے جہانسوز شعلون سے جل جل کر خاک سیاہ ہوتے جائیں۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ جمّون میں الگ بیٹھے ہوئے امن چین کی زندگی بسر کریں۔ اور اُن کو ذرہ سی آنچ بھی نہ لگے۔

سب سے پہلے مہاراجہ مذکور کی تخریب کا خواہان خاص اُن کا بھتیجا راجہ ہیرا سنگھ ہی ہوا۔ جو اپنے باپ کی ہلاکت کے بعد خالصہ حکومت کا وزیر بن گیا تھا۔

سنہ ۱۸۴۴ع مطابق سنہ ۱۹۰۱ بکرمی میں اُس نے جسطرح سے جمّون پر حملہ کرنے کیلئے ایک فوج عظیم بھیجی۔ اور جن ترکیبون سے بہادر اور دانا مہاراجہ نے جمون کا بال بھی بھیکا نہونے دیا۔ اور فوج کے اس سیلاب عظیم کو سوائے کسی قسم کا نقصان پہونچانیکے رفع دفعہ کر دیا۔ اُسکا مفصل حال میان سوہن سنگھ کے مارے جانے کے باب میں درج ہو چکا ہے۔

راجہ ہیرا سنگھ کی ہلاکت کے بعد جمّون پر ایکدفعہ پھر حملہ ہوا۔ یہ چڑھائی راجہ ہیرا سنگھ مقتول کے جانشین سردار جواہر سنگھ کے حکم سے ہوئی تھی جو مہاراجہ دلیپ سنگھ کا ماموں تھا۔ یہ مہم جو سابقہ فوجی مہم کی نسبت تعداد میں بھی زیادہ اور نقصان رسانی میں بھی زیادہ خطرناک تھی۔ زیر کمان سرداران۔ شام سنگھ اٹاری والا۔ میوہ سنگھ مجیٹھیا۔ فتح سنگھ مان اور سلطان محمد ٹوانے کے حملہ آور ہوئی تھی۔

اور یہ چڑھائی اسواسطے کی گئی تھی کہ مہاراجہ گلاب سنگھ سے اُن کے دونون بھائیون اور راجہ ہیرا سنگھ کی تمام جایداد منقولہ اور غیر منقولہ وصول کیجائے اور اون سے تین کروڑ روپیہ کا جرمانہ بھی لیا جاوے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ بخوبی جانتے تھے کہ وہ اس ٹڈی دل

فوج کا مقابلہ کسیطرح سے نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم اُنہون نے ایک سخت مقابلہ کی تیاری کی۔ اور ڈوگرہ لوگ اپنے حملہ آورون کے ساتھہ جنہون نے پہلے دن ہی نہایت تیزی سے دہاوا بولدیا تھا ایسے جان توڑ کر لڑے کہ سردار فتح سنگہ مان جوکہ ایک نہایت ہر دلعزیز اور بہادر سردار اور مہاراجہ رنجیت سنگہ کے وقت کا ایک آزمودہ کار سپاہی تھا۔ مارا گیا۔

سردار فتح سنگہ مان کے مارے جانے سے مہاراجہ گلاب سنگہ کو خوف ہوا کہ اب سکھ لوگ جوش مین آکر اپنے ہر دلعزیز سردار کی موت کا بدلا لئے بغیر جمون سے ہرگز واپس نہونگے۔ اور یہ اندیشہ اُن کے دل مین ایسا جانشین ہوا کہ جمون کو بچانے کے خیال سے وہ اپنی جان سے لاپرواہ ہوکر بیڈہڑک سکھون کی فوج مین چلے گئے۔ جہان اُنہون نے سردار فتح سنگہ مان کو اپنا قدیم دوست اور لنگوٹیا یار بیان کرکے اُس کے مارے جانے کا سخت افسوس کیا۔ اور سرداران فوج اور پنچون کا مونہہ داد و دہش کی شیرینی سے میٹھا کرکے دشمنون کو بھی اپنا دوست بنالیا۔ علاوہ ازین اونہون نے تین لاکھہ روپیہ ہاتھیون پر لادکر لاہور کو بھی روانہ کردیا۔ تاکہ اس روپیہ کے ساتھہ لاہور کے مخالفون کا بھی مونہہ بند کردیا جاوے۔

مہاراجہ گلاب سنگہ نے اس طرح سے جو سونے اور چاندی کی ندیان چلائین اونہون نے کینہ ور سکھون کے زنگ آلودہ طبیعت کی میل کو دہوکر صاف کردیا اور دولت کی آگ نے اونکے سنگین دل کو پگلاکر موم بنادیا۔ اس سورما اور تجربہ کار مہاراجہ نے جمون کو تو سکھون کے حملہ سے بچالیا۔ لیکن خود ابہی خطرہ سے محفوظ نہیں تہا بلکہ حملہ آور اوسکو اپنے ساتہہ لاہور لیگئے جہان شہر کی دیوارون کے متصل پہونچنے پر وہ فیل سوار کیا گیا۔ بہ نہایت عزت کے ساتھہ مہاراجہ دلیپ سنگہ

کی والدہ اور نایب سلطنت رانی جنداں کے پاس پہونچایا گیا۔ اس رانی نے اوسکو نقصان پہونچانیکی جگہ اُلٹا اُسکی عزت افزائی اور تواضع تکریم کرنی شروع کی ۔ رانی جنداں کو اسقدر مہربان پاکر مہاراجہ گلاب سنگھ نے اپنی بیگناہی کو مختصر طور پر اس عمدگی کے ساتھہ بیان کیا کہ اگر رانی موصوف کا بہائی سردار جواہر سنگھ مخالفت نہ کرتا۔ تو وہ مہاراجہ موصوف کو اپنا وزیر بنا لیتی۔

اس طرح سے مخالفت کی تلوار کی تیزی جو کہ مہاراجہ موصوف کے سر پر لٹک رہی تھی بالکل کند ہو گئی۔ تاہم سردار جواہر سنگھ نے اونکو تین چار ماہ تک لاہور میں ہی پڑے رہنے دیا جس عرصہ میں اُس نے اُن کو نہ صرف لون میانی کے ٹھیکہ سے ہی سبکدوش کیا۔ بلکہ اُن سے ساٹھ لاکھہ روپیہ کے جرمانہ کی ادائگی کے علاوہ یہ بھی اقرار لے لیا کہ وہ راجگان دہیان سنگھ۔ سوچیت سنگھ اور ہیرا سنگھ کی جاگیریں بھی واپس کر دینگے۔

اس طرح سے جب مہاراجہ گلاب کا ہزارہ کے علاقہ میں ذرہ سا بھی رسوخ نہ رہا جو محض لون میانی کے ٹھیکہ سے تہا تو اونکو جموں چلے جانے کی اجازت ملی۔ اور وہ رخصت ہو گئے۔

اُس کے بعد سکہوں کے دلوں کی کدورتیں دور ہو گئیں۔ اور سردار جواہر سنگھ مہاراجہ موصوف کے ایسے پکے دوست بن گئے کہ جب سنہ ۱۸۴۵ء مطابق سمت ۱۹۰۲ میں مہاراجہ دلیپ سنگھ کی شادی سردار چتر سنگھ اٹاری والے کی دختر کے ساتھ ہوئی۔ تو اس موقعہ پر وزیر جواہر سنگھ نے مہاراجہ گلاب سنگھ کو بہی مدعو کیا۔ جنہوں نے اس دعوت کو منظور کر کے اپنی شمولیت سے شادی کے جلسوں کی رونق کو دوبالا کر دیا۔

سکھون کی شکست اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی مدار المہامی

سردار تیج سنگھ اور سردار لال سنگھ جو پیچھے سے راجے بنائے گئے تھے اُن کا خیال تھا۔ کہ جس بزدلانہ طریقہ سے اُنہون نے اپنی فوج کے گلے کٹوائے تھے۔ اور اوس کو تباہ کیا تھا۔ اُن کی اس حرکت سے حکام انگریزی خوش ہو کر اُنکے ساتھہ مہربانی کا سلوک کرینگے۔
لیکن نتیجہ برعکس نکلا۔ ہر دو سردارون نے دوران جنگ میں جُدا جُدا التجا کی تھی۔ کہ اُن کو گورنر جنرل ہند کے ساتھہ ملاقات کرنیکا موقعہ دیا جاوے۔ لیکن بجواب اوسکے انکو برملا طور پر یہ ذہن نشین کرایا گیا تھا کہ جبتک انگریزی فوج لاہور میں داخل نہوگی تب تک نہ کسی قسم کی مصالحت ہوگی۔ نہ کوئی نامہ و پیغام سُنا جائیگا۔ اور نہ کسی کے ساتھہ ملاقات کیجائیگی۔

اس کے بعد جب سبراون کے قریب آخر جنگ میں کھیت انگریزون کے ہاتھ رہا اور سکھون کے کامل شکست کھانے کے بعد اس گھمسان کی لڑائی میں اونکے ایسے چھکے چھوٹے کہ جان بچانے پر سب اُس پل کیطرف دوڑے۔ جسکو راجہ تیج سنگھ نے بدنیتی سے پہلے کٹوا دیا تھا۔ تو بعضے تو دریا میں ڈوب مرے۔ اور بعضے دشمن کی توپ اور بندوق کی خونخوار گولہ باری اور غضبناک آگ کی بارش سے کھیت رہے۔ جو سکھہ دریا میں ڈوبے وہ اتنے زیادہ تھے۔ کہ جب اُنکی لاشین تیرنے لگین۔ تو اوسوقت جہانتک نظر کام کرتی تھی دریا میں بجز لاشون کے اور کچھہ بھی نظر نہیں آتا تھا۔
ادہر انگریزی فوج نے فتح حاصل کرکے ستلج پر دو بارہ پل بنایا۔ جس

کیواسطے کشتیان بمبئی میں تیار ہو کر پہلے سے ہی منگوائی گئی تہین پل کے تیار ہو جانے پر جو چند یوم میں ہی بن گیا تہا۔ فوج ظفر موج نے ۲۱۔ فروری ۱۹۴۶ء کو معہ گورنر جنرل کے لاہور پر چڑہائی کردی۔

اب رانی جندان اور راجہ لال سنگہ اور راجہ تیج سنگہ کی آنکہین کہلین جنہون نے اپنی فوج کو حکم دیا تہا۔ کہ ستلج کے پار جا کر انگریزون کے ساتہہ جنگ کر کے ہندوستان کو فتح کرو۔ اور جنکا خیال تہا کہ اس طرح سے یا تو وہ انگریزون کو مغلوب کر لینگے۔ ورنہ اُن کی بدمست فوج کے تباہ ہو جانے پر وہ لاہور میں بیٹھکر دشمنون سے بیفکر ہو جا بینگے اور امن چین سے خوب گلچھرے اڑا ینگے۔ بلکہ ہر چہپا گردی کی خونریزیون اور مفسدہ پردازیون سے بھی نجات حاصل کرینگے۔

اب اُن کو معلوم ہوا کہ فوجی پنچون کی حکومت سے نجات حاصل کرنے کے بعد وہ انگریزی فوج کے قابو مین آرہے ہین۔ لیکن جو حماقت اور قوم کشی اُنہون نے کی تہی۔ اب اوس کا علاج کیا ہو سکتا تہا۔ نہ تو انگریز ملاقات کا ہی موقعہ دیتے تہے۔ نہ کوئی نامہ و پیغام ہی سنتے تہے اور نہ اونکی پیش قدمی کے روکنے کی ہی کسی کو جرأت تہی۔ رانی جندان اور اوس کے دونون سردار سخت گہبرائے۔ رانی مذکور کو بہی اور اُس کے ان دونون یارغارون کو بہی جان کے لالے پڑ گئے۔

اس وقت لاہور میں سخت گہبراہٹ اور ہلچل تہی۔ اب رانی جندان کو معلوم ہو گیا کہ جن سردارون کا اُس کو بہروسا تہا۔ وہ سخت نالایق تہے۔ اور انگریزون کی نظرون میں اون کی کوئی عزت نہیں تہی۔ جب آنیوالی مصیبت کا رانی جندان یا اُس کے سردارون کو کوئی علاج نظر نہ آیا تو سب مہاراجہ گلاب سنگہ کے شرن آئے۔ خوف زدہ رانی نے اونکو لاہور میں طلب کیا۔ لیکن انہون نے یہ خیال کر کے کہ خود کردہ را علاجے

نیست - اور تمام خرابی رانی جندان نے خود کی تھی پہلے تو جانے سے
انکار کر دیا -

لیکن دوسری دفعہ کی طلبی پر رانی مذکور کے پاس چلے آئے - یہہ
۲۷ جنوری ۱۸۴۶ء مطابق سمت ۱۹۰۲ کی بات ہے - چند روز کے بعد
یہان وہ مدار المہام بنائے گئے - اور اون سے استدعا کی گئی - کہ
کسیطرح انگریزون کے ساتھ صلح کرا دی جائے -

اس موقعہ پر انگریزی فوج قصور مین پہونچ گئی تھی - اور یہان اُن کو مہاراجہ
موصوف نے وزیر بنائے جانے کی اطلاع بھیجی - اور یہ بھی ظاہر کر دیا - کہ گو
سکھون کی یہ سخت نادانی تھی - کہ انہون نے سرکار انگریزی کے ساتھ
ناحق جنگ کر کے آبیل مجھکو مار کے مصداق بن گئے - لیکن مین امن
پسند آدمی ہون - اور حتی المقدور لڑائی بھڑائی سے پرہیز کرنا چاہتا ہون
اسواسطے میری کوشش ہوگی کہ سرکار انگریزی اور خالصہ سرکار مین پھر سابقہ
اتحاد قایم ہو جاوے -

اس کا جواب مہاراجہ موصوف کو یہ ملا - کہ پہلے فوج کے بیڑے توڑ ڈالو
اور پھر صلح صفائی کی بات چیت کرو - لیکن مہاراجہ مذکور مہاراجہ رنجیت سنگھ
کے وقت کے ایک آزمودہ کار دیرینہ اہلکار تھے - وہ ایسے جھانسون
مین کب آنے والے تھے - اُنہون نے فوج کے بیڑون کو توڑنے
سے بدین الفاظ انکار کیا - کہ فوج سرکش ہو رہی ہے - اسوقت ان
مین ہلچل پیدا کرنی ایک سخت خطرناک اور بیجا حرکت ہوگی -

ازان بعد مہاراجہ گلاب سنگھ کو دوبارہ یہ کسی نے نہیں [illegible] - کہ فوج کو
ہٹا دو - بلکہ صلح صفائی کے نامہ و پیغام مین یہان تک ترقی ہونی کہ
گورنر جنرل بہادر نے قصور سے ہی ایک اعلان بدین مضمون جاری
کیا - کہ ستلج کے جنگ مین سکھون کو شکست فاش مل چکی ہے -

بوجہ جس کے انگریزی فوج کو پنجاب میں داخل ہونیکا موقعہ ملا۔ اب صلح صفائی اوسی صورت میں ہوسکتی ہے۔ کہ جب ایک تو معقول تاوان جنگ دینا منظور کیا جائے۔ اور دویم یہ یقین دلایا جائے کہ لاہور میں ایک ایسی اچھی حکومت قائم کیجائیگی۔ جو کہ آئندہ کیلئے اپنے افعال کی ذمہ وار قرار دی جائے۔

اس اعلان کی باضابطہ اطلاع مہاراجہ گلاب سنگہ کو بھی دی گئی تھی اور اُن کے ذہن نشین یہ بات بھی کی گئی تھی۔ کہ خالصہ دربار اس اعلان کا استفائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ ساتھ ہی اُن کو پہر بھی یقین دلایا گیا۔ کہ جب تک سکھ لوگ خود کسی قسم کا فتنہ و فساد نہ کرینگے۔ تب تک سرکار انگریزی اس اعلان پر قائم رہیگی۔

رانی جنداں نے جب دیکھا کہ انگریزی حکام مہاراجہ گلاب سنگہ کے ساتھ خط و کتابت کرنے سے بھی انکار نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ اونکو عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ تو اوس نے اس اعلان کو غنیمت سمجھا۔ اور اوس سے فوراً فائدہ اُٹھانے کیواسطے مہاراجہ گلاب سنگہ کو پورا اختیار دیدیا۔ کہ وہ جسطرح اور جن شرائط پر مناسب سمجھیں انگریزوں کے ساتھ صلح صفائی کرادیویں۔

بلکہ اوس نے اور اوس کے سرداروں نے قسم کہا کر مہاراجہ گلاب سنگہ کو یقین دلایا کہ وہ سب مہاراجہ موصوف کے مشورے اور تجاویز کے پابند رہینگے۔

ایسی حالت میں ۲۰ فروری سنہ ۱۹۴۶ کو مہاراجہ گلاب سنگہ نے قصور میں لارڈ ہارڈنج سے ملاقات کی اور اس ملاقات میں اُن کے ساتھ دیوان دینا ناتھ۔ فقیر نور الدین اور سلطان محمد خان بھی شامل تھے اس ملاقات میں لارڈ ہارڈنج نے خالصہ دربار کے سرداروں کو

ایسا فرمایا کہ وہ میجر ہنری لارنس صاحب پولٹیکل ایجنٹ اور کری صاحب چیف سکرٹری کے ساتھہ شرائط صلح کا فیصلہ کرلیوین۔

اسکے مطابق بعد کامل بحث ومباحثہ کے جانبین مین ایک عہدنامہ کا مسودہ مرتب ہوا جسکی شرائط حسب ذیل تھین۔

عہدنامہ ۱۴- فروری کی شرائط

(۱) جو علاقہ مابین دریائے ستلج اور بیاس کے واقعہ ہے وہ معہ دریائے ستلج کے ہردو کنارون کے سرکار انگریزی کے حوالہ کیا جائیگا۔

(۲) سرکار انگریزی کو ڈہیڑہ کروڑ روپیہ بطور تاوان جنگ کے ادا کیا جائیگا۔

(۳) موجودہ سکھون کی فوج توڑدی جائیگی۔ اور آیندہ کے لئے جو تعداد سرکار انگریزی مقرر کردیگی اوسی تعداد تک جدید فوج مقرر کیجائیگی۔

(۴) مہاراجہ دلیپ سنگہ کی مملکت کی حد وحدود اور اوس کے آیندہ انتظام کا فیصلہ لاہور میں کیا جائیگا۔

ان شرائط کے مرتب ہونے کے بعد یہ بھی فیصلہ ہوگیا تھا۔ کہ سکھون نے انگریزون کے ساتھہ جو جنگ کیا تھا۔ مہاراجہ دلیپ سنگہ کو قصور میں آکر گورنر جنرل سے اُس کی معافی مانگنی ہوگی۔ چنانچہ ۱۸- فروری کو خوردسال مہاراجہ دلیپ سنگہ قصور میں تشریف لائے۔ اور اُن کے خاص سردارون میں سے مہاراجہ گلاب سنگہ۔ بھائی رام سنگہ اور دیگر سرداران اُن کے ساتھ تھے۔ چنانچہ یہان ...... مہاراجہ موصوف اور اُن کے سردارون نے پہلے معافی مانگی اور بعد اُس کے عہدنامہ مجوزہ پر فریقین سے دستخط کئے۔

اس میں یا شک نہیں۔ کہ یہ عہدنامہ سکھون کو ذلیل اور اون کے اقتدار اور

طاقت کو خاک میں ملانے والا تھا۔

لیکن ایک ایسے وقت میں جبکہ سکھ بالکل پامال ہو گئے تھے۔ اور فتحیاب انگریز قصور میں داخل ہو کر اب تلوار کے زور سے لاہور میں اپنی حکومت کا سکہ جمانا چاہتے تھے۔ نہ یہ ممکن تھا۔ کہ حکام انگریزی ان شرائط سے زیادہ نرم شرائط پر صلح کرتے۔ نہ سکھوں میں اب یہ طاقت تھی کہ انگریزوں کے آگے وہ اب کسیطرح کی چون وچرا کر سکتے۔ پس اس خیال کو دل میں آنے دینا کہ مہاراجہ گلاب سنگہ نے یا تو بوجہ اپنی پولٹیکل ناتجربہ کاری کے یا کسی اور ذاتی قابلیتی نقص یا بدنیتی کے سکھوں کے گلے میں ایسی خراب اور تباہ کرنے والی شرائط کا ہار ڈلوا دیا۔ سراسر خام خیالی اور کوتاہ اندیشی ہے۔ بلکہ پرمغز۔ زمانہ شناس اور آزمودہ کار اشخاص میں اگر کوئی خوبی ہوتی ہے۔ تو وہ یہ ہی ہے۔ کہ جب زمانہ کو ناموافق پاتے ہیں۔ تب نرم پڑ جاتے ہیں۔ اور جب بگڑے ہوئے کھیل سب بن جاتے ہیں۔ تب پھر مونچھوں کو تاو دیتے ہیں۔

بہر حال مہاراجہ دلیپ سنگہ اور اون کے سرداروں نے جو معافی مانگی۔ اور ان شرائط کو قبول اور منظور کیا۔ ان دونوں باتوں سے سرکار انگریزی اور خالصہ دربار میں پہر اتحاد اور دوستی کا رابطہ قایم ہو گیا۔

۲۰ فروری کو خورد سال مہاراجہ قصور سے لاہور کو واپس لوٹا۔ اور سرکار انگریزی کیطرف سے مسٹر کری چیف سکٹر۔ میجر ایچ لارنس پولیٹیکل افسر۔ اور مسٹر سی ہارڈنج پرایویٹ سکرٹیری حضور گورنر جنرل بہادر لاہور تک اوس کے ہمراہ آئے۔ جہاں جب مہاراجہ موصوف معہ مہاراجہ گلاب سنگہ قلعہ میں داخل ہوا تو انگریزی توپخانہ سے جو کہ گھوڑوں کا توپخانہ تھا۔ ۲۱ توپ کی سلامی سر ہوئی۔ یہ پہلے سے ہی قرار پا چکا تھا۔ کہ مہاراجہ دلیپ سنگہ کے داخلہ لاہور کے بعد ہی اوسی روز گورنر جنرل بہادر بھی

رونق افروز ہونگے۔ اس واسطے زمانہ شناس مہاراجہ گلاب سنگھ نے اس بات کی بہت احتیاط کی کہ خالصہ فوج کا ایک حصہ تعدادی پچیس ہزار جو سبراون سے شکست کھا کر سیدھا لاہور کو آرہا تھا کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ نہ کرنا پاوے۔

فوج کے اس حصہ کو مہاراجہ گلاب سنگھ نے تا صدور حکم ثانی برائے فنڈ میں روک دیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا کہ جس سکھ کے پاس کسی قسم کا ہتھیار ہو۔ وہ لاہور میں گشت نہ کرنا پاوے۔

بلکہ جہاں جہاں جو سکھ سپاہی پہرہ پر مامور تھے۔ وہاں سے وہ بھی تبدیل کردئے گئے۔ اور انکی جگہ مسلمان اور نجومی سپاہی مقرر ہوگئے۔ سکھوں نے مہاراجہ گلاب سنگھ کے ان احتیاطی احکام کی پوری پوری تعمیل کی۔ جس پر گورنر جنرل بہادر نے لاہور میں خیر و عافیت کے ساتھ داخل ہو کر عہد نامہ مذکورہ کو تصدیق فرمایا۔

اس عہد نامہ کی تکمیل ہونے کی ہی تاخیر تھی۔ کہ نا سمجھ رانی جنداں نے پھر سردار لال سنگھ کو اپنا وزیر بنا لیا۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی وزارت ایک ایسی زمانہ میں ختم ہو گئی۔ جبکہ صلح صفائی کے معاملات ابھی ادھوری حالت میں ہی پڑے ہوئے تھے۔ لیکن بیچاری رانی جنداں کا بھی اس میں کیا قصور ہے۔ جو ایشور پرماتما کو منظور ہوتا ہے۔ ویسے ہی سامان پیدا ہو جاتے ہیں۔ خدا کی خواہش یہ ہی تھی۔ کہ سکھوں کی سلطنت زیادہ مدت تک قایم نہ رہنا پاوے۔ اس واسطے اوس نے تمام سامان ویسے ہی پیدا کر دئے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کو ملک کشمیر کا ملنا

تاریخ سے تو اس بات کا پتہ بالکل نہیں چلتا کہ ایک ایسے وقت میں

جبکہ صلح کرانے والے مہاراجہ گلاب سنگہ کو عہدہ وزارت سے برطرف کرنا سکہون کی سلطنت کو بیخ وبنیاد سے اکہیڑ ڈالنے سے کسی طرح بھی کم نہ تہا۔ نادان اور تلون مزاج رانی جندان نے مہاراجہ موصوف کی وزارت کا خاتمہ کرکے خالصہ حکومت کی جڑون میں کیون تیل دیا۔ لیکن ابھی ایسے آدمی ڈوگرون میں موجود ہین۔ جنکو کہ اوس زمانہ کی زندہ تاریخ کہنا چاہئے۔ ان کا بیان ہے کہ جب قصور میں مہاراجہ گلاب سنگہ تاوان جنگ کا ڈیڑہ کروڑ روپیہ دینا منظور کر آئے۔

تو لاہور میں پہونچکر انہون نے دیکہا کہ خزانہ میں تو صرف پچاس لاکھ روپیہ ہی موجود ہیں۔ اب اور ایک کروڑ روپیہ پیدا کرنے کی فکر دامنگیر ہوئی۔

اس واسطے چندہ کی فہرست کہولی۔ اور ہر ایک خالصہ سردار اور اہلکار سے اپنی اپنی حیثیت اور حالت کے مطابق چندہ مانگا گیا۔ بلکہ سب سے پہلے چندہ دہندگان کی چوٹی میں اپنا ہی نام لکہا اور پانچ لاکہہ روپیہ خود دینا منظور کیا۔

سردار لال سنگہ جوکہ ایک نہایت تنگ دل اور سیاہ درون ہونے کے علاوہ مہاراجہ گلاب سنگہ کا دیرینہ دشمن بھی تہا۔ اور مہاراجہ موصوف کے وزیر بن جانے سے سخت پیچ وتاب میں بھی تہا۔ بلکہ یہ دیکھکر کہ صلح صفائی کرانے کی کامیابی کا سہرا بھی اون کے ہی سر پر باندھا گیا ہے دل ہی دل میں جل رہا تہا۔ جب اوس نے دیکھا کہ اب اوس کو ایک بہت بڑی رقم بطور چندہ کے دینی پڑیگی۔ تو اوسکے رشک اور بغض کی آگ اور بھی بھڑک اوٹھی۔ اس شخص کو خالصہ سلطنت کی بہبودی کا تو کچھ خیال تہا ہی نہیں۔ صرف اپنے ہی حلوے منڈے سے کام رکھتا تہا۔ اس بات کا مطلق خیال نہ کیا کہ مہاراجہ گلاب سنگھ ملک اور قوم کی ڈبکون ڈبکون کرنے والی کشتی کو تباہی اور بربادی

کے دریا میں سے کس جوانمردی اور دردمندی کے ساتھہ کنارے لگا رہے ہیں۔

فوراً سردار مذکور بگڑ گیا۔ رانی جنداں جسکو تمام خالصہ سلطنت کی نسبت سردار لعل سنگہ بہت پیارا تھا۔ تو پہلے سے ہی اوسکے قابو میں تھی۔ اب سردار مذکور نے اوس کے کان اور بھی بھرنے شروع کئے۔ اور اُس کو یہانتک ورغلایا۔ کہ مہاراجہ گلاب سنگہ ایکدن برٹش ریزیڈنٹ میجر ایچ لارنس کی ملاقات کو لدہیانہ میں تشریف لیگئے ہوئے تھے۔ پیچھے سے رانی مذکورہ نے سردار لال سنگہ کو وزیر بنا ڈالا اور اس معاملہ کو ایسا پوشیدہ رکھا۔ کہ مہاراجہ موصوف کو بھی اسبات کا علم نہ ہونے دیا۔ البتہ میجر ایچ لارنس موصوف کو ایک چٹھی کے ذریعہ اطلاع دیدی۔ کہ نہ مہاراجہ گلاب سنگہ اب اوسکے وزیر ہیں نہ اُن کی کوئی بات اب قابل تسلیم ہوگی۔ لیکن یہ معاملہ پوشیدہ کس طرح رہ سکتا تھا۔ چٹھی کے پہونچنے کے بعد جب مہاراجہ گلاب سنگہ کی پھر میجر ایچ لارنس بہادر کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ اور مہاراجہ موصوف نے حسب معمول ظاہر کیا۔ کہ تاوان جنگ کا روپیہ ادا کرنے کیواسطے چندہ کی فہرست کھولی گئی ہے۔ تو صاحب موصوف نے یہ خیال کرکے کہ مہاراجہ موصوف کو ابھی یہ معلوم نہیں۔ کہ وہ عہدہ وزارت سے برطرف کئے گئے ہیں۔ کسیقدر مسکرا کر مہاراجہ گلاب سنگہ کو کہا کہ جب رانی جنداں کی خدمت کا آپ دم بھر رہین۔ وہ اطلاع دیتی ہے۔ کہ اب آپ اوسکے وزیر نہیں ہین۔ بلکہ وہ چٹھی بھی بجنسہ مہاراجہ موصوف کو دکھا دی۔

جو صدمہ اس خبر کو دفعتاً سنکر مہاراجہ موصوف کو ہوا ہوگا۔ وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ لیکن واہ رے مہاراجہ گلاب سنگہ جو ہین

انہون نے یہ خبر سنی - فوراً اپنی ڈھال اور تلوار کھولکر میجر ہنری لارنس موصوف کے آگے فرش پر رکھدی اور فرمانے لگے - کہ ایسی سلطنت کی وزارت کرنا جسکی عنان حکومت ایک متلون مزاج اور بدچلن عورت کے ہاتھ میں ہو - نادانی میں داخل ہے -

رانی جنداں جس کو بالکل یہ خبر نہیں ہے - کہ اوسکی ذمہ واریان کیا ہیں - عیش و عشرت میں مصروف ہوکر ناز و نیاز کے گلچھرے اڑا رہی ہے - اور میں سلطنت کے قیام کی کوششون میں صلح و صفائی کی تدابیر میں لگا ہوا تہا - اور چاہتا تہا کہ سرکار انگریزی اور خالصہ حکومت میں پہر دوستانہ تعلقات پیدا ہوجاوین - چنانچہ دونون سلطنتون میں جس طرح سے انہون نے صلح و صفائی کرادی ہے - یہ بات پوشیدہ نہیں ہے - البتہ اگر رانی جنداں نے اپنی نادانی سے اس کی قدر دانی نہیں کی - تو نہ سہی -

لیکن اُمید ہے کہ آپ ضرور اس بات کا خیال رکھینگے اور میری خدمات کی قدر دانی کرینگے - آپ نے یہ بہی فرمایا کہ اب تک جو فایدہ میں نے خالصہ حکومت کو بوجہ وزارت کے پہونچایا ہے - وہ میرا فرض تہا - لیکن شکر ہے - کہ اب اُشترون کی مالا میرے گلے سے اوتر گئی - اور میں سبکدوش ہو گیا ہون - جو وقت میرا لاہور دربار کی خدمات کے انجام دہی میں خرچ ہوتا تہا - اچھا ہوا کہ وہ وقت آیندہ میں اپنی جمون کی ریاست کی بہبودی میں خرچ کرونگا - اب میرے تعلقات آپ کے ساتھہ بحیثیت ایک وزیر کے نہیں ہیں - البتہ میں جمون کا راجہ ہون - اسواسطے آیندہ میرے تعلقات آپ کے ساتھہ بحیثیت ایک ریاست کے رئیس کے رہینگے - جن کو میں نہایت وفاداری اور خیر اندیشی کے ساتھہ نباہونگا بشرطیکہ میری ریاست کو کسی قسم کا ضعف نہ پہنچے اور جو خدمات میں نے

کی ہیں۔ اونکی قدردانی معقول طریقہ سے کیجاوے۔

سر ہنری لارنس اور اُس زمانہ کے دیگر انگریزی حکام کا پہلے سے ہی مہاراجہ گلاب سنگھ کی نسبت اچھا خیال تہا۔ وہ جانتے تھے کہ اونکا پنجاب سرحدی علاقہ اور کابل میں بہت رسوخ ہے۔ اور پنجاب کے روسا میں سے وہ نہایت زبردست اور منتظم رئیس ہیں۔ بلکہ اُن کو یہ بھی معلوم تھا۔ کہ مہاراجہ موصوف کی ڈوگرہ فوج بہت بہادر اور جنگی قواعد اور قابلیت میں اعلی درجہ کی مہارت رکھتی ہے۔ قطع نظر اسکے انگریزون کو خالصہ حکومت میں سے ایک لایق وزیر کا نکل جانا کیون بُرا معلوم ہوتا۔ اور وہ ایسی حالت کو جس سے سکھون کی سلطنت اور بھی کمزور ہوکر حصے بخرے کرنیکے لایق ہوجاتی۔ کیون روکتے۔

ان سب باتون کا مل جل کر سر ہنری لارنس کی طبیعت پر کچھ ایسا عمدہ اثر پڑا۔ کہ انہون نے مہاراجہ گلاب سنگہ کی بہت دلجوئی کی۔ اور رخصت کرنے سے پہلے اُن کے ساتھ وعدہ کیا۔ کہ جہانتک ممکن ہوگا اونکی خدمات کی قدر کرائی جائیگی۔

بعضے دیرینہ سال ڈوگرون کا اظہار ہے۔ کہ یہ تقریر مہاراجہ گلاب سنگہ کی خود لارڈ ہارڈنج کے ساتھ ہوئی تھی۔

بہرحال اس وقوعہ کے بعد مہاراجہ گلاب سنگہ تو ہردوار اور گیاجی کی جاترا کو چلے گئے۔ ادہر سر ہنری لارنس نے خالصہ دربار سے تاوان جنگ کا تقاضا بہت سختی کے ساتھ کیا۔ جسپر پچاس لاکہہ روپیہ تو ادا ہوگیا۔ مگر باقی ایک کروڑ روپیہ ادا کرنیکی سکھہ سردار کوئی سبیل پیدا نہ کرسکے۔

اب سر ہنری لارنس کو موقعہ ملگیا۔ ایک کروڑ روپیہ کے معاوضہ میں انہون نے دریائے راوی کے مغرب سے دریائے سندھ کے مشرقی کنارہ تک تمام پہاڑی علاقہ سکھون سے لیکر مہاراجہ گلاب سنگہ کو دینگی ٹہانی

جب مہاراجہ گلاب سنگہ تیرتہون کی جاترا سے لوٹے - اور اونکے جان نثار وزیر دیوان جوالا سہائے نے اونکو سنایا کہ انکو عنقریب ایک بہت بڑا علاقہ ملنے والا ہے - تو وہ جامہ میں پہولے ہوئے نہ سمائے - لیکن جب دیوان موصوف اور دیگر اہلکارون نے مفصل کیفیت سناکر یہ بہی کہا - کہ اس علاقہ کے معاوضہ ۷۵ لاکہہ روپیہ دینے پڑینگے - تو بہت گہبرائے - اور بولے کہ اتنی بڑی رقم کہان سے پیدا ہوگی -

دیوان جوالا سہائے صاحب اُن کی اس سراسیمگی کو دیکھکر ہنسے اور مسکرا کر بولے - کہ مایوسی کی کوئی بات نہیں ہے - آپکے ملازم روپیہ کی ادائگی کا بھی سب انتظام کر چکے ہیں -

یہ سنکر مہاراجہ موصوف کی دلجمعی ہوئی - اور سر ہنری لارنس کا شکریہ ادا کرنیکواسطے اونکی ملاقات کو دوڑے - سر ہنری لارنس موصوف نے اُن کو دیکھکر مبارکبادی دی اور فرمایا کہ گورنمنٹ ہند نے کچہہ تو آپ کی خدمات کے صلہ میں اور کچہہ ۷۵ لاکہہ روپیہ کے معاوضہ جو کہ آپکو دو قسطون میں ادا کرنا ہوگا - دریائے راوی سے لیکر دریائے سندہ تک کل پہاڑی علاقہ دیدیا ہے - سکہون سے انگریزی حکام نے یہ علاقہ ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کے عہدنامہ کے مطابق لے لیا تہا - جس کے مطابق گورنمنٹ ہند نے ایک تو ستلج اور راوی کے درمیان کا میدانی اور پہاڑی علاقہ سکہون سے لے لیا - اور دویم بیاس اور سندہ کے درمیان کے پہاڑی علاقہ پر بہی قبضہ کر لیا - جس میں کشمیر اور ہزارہ کا علاقہ بھی شامل تہا - اس کے بعد مہاراجہ گلاب سنگہ کے ساتہ بہی ایک عہدنامہ ہوا - جس کے مطابق اُن کو ایک کروڑ روپیہ کے معاوضہ راوی اور سندہ

کے درمیان کا تمام پہاڑی ملک معہ چمبہ اور کشمیر کے ملا۔ لیکن لاہول کا علاقہ اس عہدنامہ سے خارج رکھا گیا تھا۔

یہ عہدنامہ شہر امرتسر میں ۱۷۔ مارچ سنہ ۱۹۴۶ء کو مہاراجہ گلاب سنگھ کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے اُن کے گورنر جنرل بہادر سر ہنری ہارڈنج صاحب بہادر کے تابع حکم اور زیر فرمان فریڈرک کری صاحب اور بریونٹ میجر ہنری منٹگمری لارنس صاحب بہادر نے تحریر کیا۔

ترجمہ عہدنامہ

(۱) انگریزی گورنمنٹ تمام وہ پہاڑی ملک معہ تمام علاقوں کے جو کہ دریائے سندھ کے مشرق میں اور دریائے راوی کے غرب میں ہے اور جو سرکار انگریزی کو دربار لاہور سے ضمن چہارم عہدنامہ مورخہ ۹ مارچ کے مطابق ملا ہے۔ علی الدوام کے واسطے مہاراجہ گلاب سنگھ اور اوس کی بطنی اولاد ذکور کے خودمختار قبضہ میں منتقل کرتی ہے۔

(۲) جو علاقہ اس عہدنامہ کی ضمن اول کے مطابق مہاراجہ گلاب سنگھ کو دیا گیا ہے۔ اوس کی مشرقی کی حد پیچھے سے ایک کمیشن کے ذریعہ مقرر کیجائیگی۔ جس کا ایک کمشنر مہاراجہ گلاب سنگھ کیطرف سے اور دوسرا کمشنر گورنمنٹ ہند کی طرف سے نامزد ہوگا۔ اس کے بعد پہلے پیمایش ہوگی۔ اور پھر ایک جدا معاہدہ کے ذریعہ حد بندی کیجائیگی۔

(۳) مذکورہ بالا ضمنات کے مطابق جو علاقہ مہاراجہ گلاب سنگھ اور اُن کے وارثوں کو دیا گیا ہے۔ بلحاظ اس کے مہاراجہ گلاب سنگھ نے ۷۵ لاکھ روپیہ نانک شاہی ادا کرنا ہوگا جسمیں سے وہ پچاس لاکھ روپیہ تو اس عہدنامہ کی تصدیق کے وقت ادا کر دینگے۔ اور باقی

پچیس لاکھ روپیہ پہلے یا اول اکتوبر سنہ ۱۹۴۶ء تک دیدینگے۔

(۴) سوائے منظوری سرکار انگریزی کے مہاراجہ گلاب سنگھ کے ملک کی حدود کبھی بھی تبدیل نہیں کیجائینگیں۔

(۵) مہاراجہ گلاب سنگھ اور دربار لاہور کے درمیان اگر کوئی نزاع پیدا ہو جائے۔ تو اوس کا فیصلہ مہاراجہ موصوف گورنمنٹ ہند کے سپرد کرینگے۔

(۶) مہاراجہ گلاب سنگھ اپنے ذمہ لیتے ہیں کہ اون کے علاقہ کے گرد و نواح میں اگر کوئی فساد پھوٹ پڑے۔ تو وہ اور اون کے وارث اپنی تمام فوج کو انگریزی فوج کی مدد کے لئے بھیجدینگے۔

(۷) مہاراجہ گلاب سنگھ عہد کرتے ہیں۔ کہ بلا منظوری گورنمنٹ ہند کے نہ رعایائے سرکار انگریزی میں سے کسی شخص کو اور نہ کسی یوروپین سلطنت کی یا امریکہ کی رعایا کے کسی شخص کو اپنی ملازمت میں رکھینگے۔

(۸) مہاراجہ گلاب سنگھ عہد کرتے ہیں۔ کہ لاہور دربار اور گورنمنٹ ہند کے درمیان ۱۱ مارچ سنہ ۱۹۴۷ء کو جو معاہدہ ہوا ہے۔ اوس کی ضمنات ۵ و ۶ و ۷ کا وہ پورا پورا لحاظ رکھینگے۔

(۹) گورنمنٹ ہند مہاراجہ گلاب سنگھ کو اون کے کسی بیرونی دشمن کے برخلاف مدد دیوگی۔

(۱۰) مہاراجہ گلاب سنگھ گورنمنٹ ہند کی عظمت اور بزرگی کے اقرار میں سال بسال ایک گھوڑا۔ ۱۲ پشمینہ کی بکریاں صحیح النسل جنمیں سے ۶ نر اور ۶ مادہ ہونگے۔ اور تین جوڑے کشمیری دوشالون کے نذر کیا کرینگے۔

جب اس عہدنامہ پر مہاراجہ گلاب سنگھ نے خود اور گورنمنٹ ہند

کیطرف سے فرڈرک کری صاحب اور بری نٹ میجر ہنری منٹگمری لارنس صاحب بہادر نے دستخط کردے۔ تو اوس کے بعد اوس پر لارڈ ہارڈنج صاحب نے بھی اپنی مہر ثبت فرمائی۔

اس عہدنامہ کے لکھے جانے کے بعد جب مہاراجہ گلاب سنگہ نے انگریزون کو ۷۵ لاکھ روپیہ ادا کرنا منظور کرلیا۔ تو حکام انگریزی نے دربار لاہور کو ہدایت کردی کہ کشمیر اور دیگر معہودہ علاقے مہاراجہ موصوف کے حوالے کردئے جائین۔ لیکن دربار لاہور کی وزارت سردار لال سنگہ کے ہاتھ میں تھی۔ جو کہ مہاراجہ موصوف کا دشمن جانی تھا۔ پس یہ کیونکر ممکن تہا۔ کہ مہاراجہ موصوف کو کشمیر کا ملک سوائے کسی ایسے مقابلے کے مل جاتا جس کا کہ اوس کے چارج لینے والے جان نثار اہلکارون کو گمان تک بھی نہ تھا۔

سردار لال سنگہ نے سرکار انگریزی کیطرف سے یہ حکم پاکر کہ ملک کشمیر وغیرہ مہاراجہ گلاب سنگہ کے حوالے کردئے جائین۔ بظاہر تو اس حکم کی تعمیل کردی۔ یعنے شیخ امام دین صوبہ کشمیر کو ظاہرداری سے تو یہ حکم لکھہ دیا۔ کہ ملک کشمیر مہاراجہ گلاب سنگہ کے حوالے کردو۔ لیکن اندرخانے اُس نے شیخ مذکور کو اشارہ کردیا کہ جو اہلکار مہاراجہ موصوف کیطرف سے آوین اُن کو چارج نہ دیا جاوے۔ اور جنگ کرکے مار ڈالے جاوین۔

مہاراجہ گلاب سنگہ کو نہ سردار لال سنگہ کی اس بدنیتی کا علم تہا۔ اور نہ وہ جانتے تھے۔ کہ اُن کے اہلکارون کو کشمیر میں کوئی مصیبت پیش آئیگی۔ اُنہون نے ایک چھوٹی سی مہم شیخ امام دین کے پاس کشمیر میں ملک کا قبضہ حاصل کرنے کے واسطے بہیجدی۔

مہم مذکور جب کشمیر میں داخل ہوئی۔ تو شیخ امام دین نے بجائے اس کے کہ اس مہم کو ملک حوالہ کرکے خود پنجاب کی راہ پکڑتا۔ مقامی فوج کو مقابلہ

کا حکم دیدیا۔
بیچارے تھکے ہوئے ڈوگروں کو اس مقابلہ کا خواب و خیال بھی نہ تھا دفعتاً ان پر دودھ گنگا کے کنارے پر شیخ امام دین کی فوج ٹوٹ پڑی۔ اور دونوں فوجوں میں ٹاکرہ ہوگیا۔ جس میں ڈوگروں کا سخت نقصان ہوا۔ بلکہ اون کا ایک لایق افسر وزیر لکھپت رائے بھی مارا گیا۔ جسکی سمادہ اسوقت بھی صاحب کمشنر بہادر بندوبست کے دفتر کے پاس موجود ہے۔

جو ڈوگرہ فوج اس تباہی سے بچ رہی۔ اُس کو پنڈت راجہ کاک صاحب در نے پناہ دی۔ اور رسد وغیرہ دینے سے اوسکی جان بچائی۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کو جب خبر ملی۔ کہ شیخ امام دین نے اُس کی فوج کو کشمیر کا قبضہ دینے کی جگہ ملک عدم کی راہ بتادی ہے۔ تو اونہوں نے گورنمنٹ ہند کے ریزیڈنٹ متعینہ لاہور کو خبر دی۔

بلکہ اس کی اصلیت دریافت کرنے کیواسطے خود دیوان جوالا سہائے بھی لاہور چلے گئے۔ گورنمنٹ ہند کے قایم مقام لاہور میں اسوقت میجر ہنری لارنس صاحب بہادر تھے۔ اُنہوں نے اس وقوعہ کی تحقیقات ایک کمیشن کے سپُرد کی۔

اب سردار لال سنگھ اور رانی جنداں کے بُرے دن آئے۔ اس کمیشن نے ان دونوں کے برخلاف رپورٹ کردی۔ کہ ڈوگروں پر کشمیر میں جو مصیبت پیش آئی تھی۔ اوس میں نہ شیخ امام دین کا اور نہ مقامی فوج کا کوئی قصور تھا۔ بلکہ اس کے ایما کرنے والے خود سردار لال سنگھ صاحب اور اعانت کرنے والی خود رانی جنداں تھی۔ جس پر سردار لال سنگھ تو پکڑ کر بنارس میں اسیر سلطانی بنا کر بھیجا گیا اور رانی جنداں کو اوس دن سے ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ کی مقرری ملنے لگی۔ اور

ملک کی حکومت میں دخل دینے سے محروم کی گئی۔ جس کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ کو کشمیر کا قبضہ مل گیا۔ اور شیخ امام دین لاہور کو واپس چلا آیا۔

۱۸۴۷ء کے شروع ہوتے پھر مہاراجہ گلاب سنگھ سے چمبہ کا ملک واپس لیا گیا۔ اور بجائے اُس کے اونکو بہدرواہ کا علاقہ ملگیا۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کی وزارت کے بعد لاہور دربار کی ابتر حالت

مہاراجہ گلاب سنگھ جب لاہور دربار کی وزارت سے الگ ہو گئے تو انگریزی مدبرون کی چاندی ہو گئی۔ اون کو پنجاب کے الحاق کا موقعہ آسانی سے مل گیا۔ جو کام انہون نے برسون میں کرنا تھا۔ اب دنون میں ہونے لگا۔

۹ مارچ ۱۸۴۶ء کے عہدنامہ کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ کا جب دربار لاہور سے کوئی تعلق نہ رہا۔ تو سکھہ سردارون نے انگریزون سے استدعا کی۔ کہ لاہور کی حفاظت پر دس ہزار انگریزی فوج عرصہ ایک سال کے واسطے مقرر کیجائے۔

یہان دیر ہی کیا تہی۔ سرکار انگریزی نے فوراً دس ہزار فوج اس مطلب کیواسطے بہیجدی۔ اور جب اس فوج کے سبکدوش ہونے کا وقت نزدیک پہونچا۔ تو ۱۶ دسمبر ۱۸۴۶ء کو ۵۲ سکھہ سردارون نے ایک محضر نامہ کے ذریعہ گورنمنٹ ہند سے درخواست کی۔ کہ فوج مذکور ابھی واپس نہ طلب ہو۔ بلکہ اوس کی میعاد میں اور بھی آٹھ سال کا اضافہ کیا جاوے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور جس روز سے دس ہزار انگریزی فوج لاہور میں داخل ہوئی۔ اوس روز سے عملی طور پر پنجاب کی حکومت انگریزون کے ہاتھ میں تبدیل ہو گئی ۔ سکھہ سردار سر بسر بیدخل ہو گئے۔ اور خورد سال مہاراجہ دلیپ سنگھ کے نام سے سارے ملک کی حکومت گورنمنٹ ہند کا قایم مقام کرتا تھا جس کی بدولت تمام ملک میں انگریزی رُعب و داب بخوبی قایم ہو گیا۔ اور سکھون کا اثر بالکل جاتا رہا۔

رزیڈنٹ بہادر لاہور نے پہلے تو بیجا طور سے سردار لعل سنگھ کو بنارس میں دے مارا۔ پھر رانی جندان کا اثر زایل کیا۔ جس کو پہلے تو اوس نے شیخو پورہ میں بھیجدیا۔ پھر فیروز پور میں رکھا۔ اور یہان سے بنارس کو روانہ کردیا جہان سے وہ نیپال کو بھاگ گئی۔ بعد اوس کے معلوم نہیں۔ کہ نیپال میں اوس کا کیا حال ہوا۔

ان جلاوطنیون کے بعد چالباز اور مفتن لوگون کی چاندی ہو گئی۔ وہ عروج پکڑنے لگے۔ اور شرفا اور اچھے آدمی کسمپرسی کی حالت میں پڑ کر بیقدری کے شکار ہو گئے۔

کتاب پنجاب اِن پیس اینڈ وار مصنفہ مسٹر تھاربرن صاحب میں لکھا ہے۔ کہ خالصہ حکومت میں جس جس جگہ پرانے سکھہ سردار برسرکار تھا۔ ان سب کو انگریزی فوجی نوجوان گورون نے سبکدوش کیا۔ اور اس طرح سے تمام ملک میں فوجی گورون کی ہی حکومت قایم ہو گئی۔ جن سکھہ سردارون کی مہاراجہ رنجیت سنگھ بہت عزت کرتے تھے۔ وہ معمولی حیثیت کے آدمیون کی طرح پکڑ پکڑ کر قید خانون میں ڈالے گئے اور آخرکار بقول کتاب مذکور کے ایسے سامان پیدا ہو گئے۔ کہ سکھہ لوگ گجرات کا جنگ کرنے پر مجبور ہوئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب

کا الحاق ہوگیا۔ اور مہاراجہ دلیپ سنگہ جلا، وطن کر کے ولایت کو پھونچائے گئے۔

یہ سب نتیجہ مہاراجہ گلاب سنگہ کی علیحدگی کا تھا۔ اگر اُن سے لاہور کی وزارت نہ چھینی جاتی۔ تو یقیناً لاہور دربار کی یہ دُردشا نہوتی۔ بلکہ سکھون کی سلطنت بدستور قایم رہتی۔ اور پھر اپنا گم گشتہ عروج حاصل کرلیتی لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایشور کی خواہش یہ ہی تہی۔ کہ اس عظیم الشان سلطنت کی اینٹ سے اینٹ رانی جنداں۔ سردار لعل سنگہ اور سردار تیج سنگہ کے ہاتھ سے بجائی جائے۔

کشمیر میں مہاراجہ گلاب سنگہ کی حکومت اور ذاتی قابلیت

مہاراجہ گلاب سنگہ اپنے جدید علاقہ کی اصلاح کرنے والے نہیں تھے۔ بلکہ بانی ریاست تھے۔ اور گو یہ قیاس کرنا بہت مشکل تہا۔ کہ مہاراجہ موصوف ابتدا میں ہی اپنی ریاست کا کامل انتظام کر سکینگے۔ تاہم انہون نے اپنی چندروزہ حکومت کے عرصہ میں جو گیارہ برس سے زیادہ نہیں تھی۔ اُس زمانہ کے حالات اور رعایا کی ضرورتون کے مطابق وہ انتظام کیا۔ کہ نایدو شاید۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ میں داخل نہوگا۔ کہ جو امن و امان رعایا کو اون کے عہد حکومت میں حاصل ہوا۔ وہ پٹھانون اور سکھون کی اندھا دھند اور سکھا شاہی حکومت سے بدرجہا بہتر تہا۔ اور جو جرایم روز افزون ترقی پر تھے۔ اون کا مہاراجہ موصوف نے بخوبی انسداد کر دیا۔ اور اون کی حکومت میں

اس قسم کی چند ایک خوبیاں بھی موجود تھیں۔ کہ جن کا دعوی بعضی یورپ اور امریکہ کی ترقی یافتہ حکومتین بھی نہ پیچھے نہ اب کر سکتی ہیں۔

اب ایک صدی کی تباہ اور برباد کرنے والی حکومتون کے بعد لوگون کو اسقدر فراغت اور اطمینان حاصل ہوا۔ کہ سب اپنی کاروبار کی ترقی میں مصروف ہو گئے۔

اس مہاراجہ نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلے ملکی انتظام کیواسطے مشیر مال یا دیوان مال کا محکمہ قایم کیا۔ کل ریاست کی دو قسمتین بنائین ایک خاص جمون میں۔ اور دوسری کشمیر میں پھر کشمیر کے چار ضلعے بنائے جن کا نام ونڈ رکھا۔ اور ہر ایک ونڈ کی حکومت نو نو پرگنون پر قایم کی۔ اور فی پرگنہ ایک ایک کاردار مقرر کیا۔ کشمیر قدیم الایام سے ۳۶ پرگنون مین تقسیم ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ نے بھی اسی قدیم تقسیم کو پسند کیا تھا۔

اس انتظام کے مطابق زمیندار لوگ نمبردارون وغیرہ کے پاس مالیہ جمع کراتے تھے۔ اور نمبردار لوگ کاردارون کے ماتحت تھے۔ اور ان کاردارون کی نگرانی ونڈوالے کرتے تھے لیکن ونڈوالون کی حکومت براہ راست خود مہاراجہ صاحب کے ہاتھ مین تھی۔

مہاراجہ موصوف نے قلمرو جمون کو بھی اسیطرح سے ونڈون۔ اور پرگنون مین تقسیم کر ڈالا لیکن جمون کی ونڈون کی حکومت دیوان جوالا سہاتے کے سپرد تھی۔ جو ادہر تو قلمرو جمون کے دیوان مال تھے۔ اور ادہر ریاست کے مدار المہام بھی تھے۔

زمیندارون سے مالیہ نقدی میں وصول نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ قدیم رواج کے مطابق عموماً دیدہ و دانستہ جنس کا حصہ اسواسطے لیا جاتا تھا۔ کہ غلہ کا انتظام سرکار کے ہاتھ میں رہے کیونکہ کشمیر

میں لوگون کو غلہ کی تجارت کے ساتھ چندان دلچسپی نہ تھی ۔

فراہمی غلہ کا طریقہ یہ تھا ۔ کہ ہر ایک گانو میں ترازو دار مقرر تھے ۔ جنکا کام غلہ کو تولنا تھا حمال اور مرکب بان سرکاری حصہ کے غلہ کو جہان گھاٹ قریب ہوتا تھا ۔ گھاٹ پر پہونچایا کرتے تھے ۔ جہان گھاٹ نہیں ہوتے تھے ۔ براہ راست ٹٹوون پر لادکر شہر سرینگر اور قصبون میں پہونچاتے تھے ۔ جو غلہ گھاٹون پر پہونچتا تھا ۔ وہ تول تول کر ہانجیون کی تحویل میں آتا تھا ۔ ہانجی لوگ اوس کو بڑی بڑی کشتیون میں ڈالکر سرینگر میں پہونچاتے تھے ۔

خاص سرینگر اور دیگر قصبہ جات میں اس غلہ کے ذخیرے بڑے بڑے کوٹھون میں رکھے جاتے تھے ۔ جن کی تعمیر اور مرمت سرکاری لاگت سے ہوتی تھی ۔ اور ہر ایک کوٹھے کا تحویلدار افسر کوٹھہ یا کوٹھے والا یا ذخیرہ دار کہلاتا تہا ۔

اس تمام خرخشہ کا انتظام اور حساب وکتاب جسمیں قلمرو کشمیر کے غلہ کا ۔ ہانجیون ۔ حمالون ۔ مرکب بانون اور ترازو دارون کا حساب کیا جاتا تہا ۔ ایک محکمہ کے ماتحت تہا ۔ جس کو محکمہ ڈول جنسی کہتے تھے ۔

محکمہ بندوبست تو اُس ابتدائی وقت میں ابھی قایم ہی نہیں ہوا تہا لیکن جو فرائض محکمہ بندوبست کے تھے ۔ وہ بھی یہ ہی کاردار لوگ ادا کرتے تھے ۔ انکا دستور تہا ۔ کہ سرکاری حصہ وصول کرنے سے پیشتر استادہ فصل کی تشخیص کرتے تھے ۔

مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب بخوبی جانتے تھے ۔ کہ غلہ بٹائی کا قدیم رواج نہایت خراب ۔ مہنگا ۔ طول وطویل ۔ اور بے ڈھنگا ہے ۔ اور نقدی مالیہ وصول کرنا ۔ بہت آسان اور سستا ہے ۔ لیکن باوجود

اس کے ملک اور رعایا کی حالت کو مد نظر رکھکر اُنھون نے غلہ بٹائی کے قدیم انتظام کو بدلنا منظور نہیں کیا۔ بلکہ تمام فضول اخراجات اور خرخشہ کو اپنے ذمہ نہایت خوشی سے لیا۔ اور یہ پسند نہیں کیا۔ کہ اون کی رعایا چھوٹے چھوٹے غلہ بیچنے والون کی سختیون کا شکار ہو جاوے جو ہمیشہ غلہ کو قحط کے نرخون سے بھی زیادہ مہنگا کرنے کے عادی ہے۔ کشمیر کی چار وارڈون کے نام مراج۔ شہر خاص۔ کروہن بانگل۔ اور کامراج تھے۔ اور ابتدائی وارڈ والے وزیر پنڈت راجہ کاک در میان امیر سنگھ۔ اور دیوان ارجن مل تھے۔

دوسرا محکمہ مہاراجہ موصوف نے بہ تقلید اکبر بادشاہ کے دفتر دیوانی بنایا تھا۔ تمام کاردار اور محکمہ جات اپنا اپنا حساب اسی محکمے مین بھیجتے تھے۔ کل ریاست کے حساب کی پڑتال اور نگرانی یہہ ہی محکمہ کرتا تھا۔ اور موجودہ محکمہ اکونٹنٹ جنرل کی نسبت یہ محکمہ بدرات نکالنے مین اور پڑتال کرنے مین کسی طرح سے بھی قواعد کا کم پابند نہ تھا بلکہ اُس زمانہ کے دفتری اور محاسب اور ہی قسم کے تھے۔ اسوجہ سے کہ اُن کا محکمہ ابتدائی حالت مین تھا۔ ان لوگون مین گو کیسے ہی نقص موجود تھے۔ تاہم حساب کی پڑتال مین وہ کسی ایسے اوچر یا دستاویز کو کبھی بھی منظور نہ کرتے تھے۔ جو کہ اون کی ذاتی پڑتال اور تحقیقات سے درست نہیں پائی جاتی تھی۔

تیسرا محکمہ مہاراجہ گلاب سنگھ کا دفتر نظامت تھا۔ اس مین دہ بدہ ریاست بھر کی اراضیات کا حساب رہتا تھا۔ اور مہاراجہ کو اس دفتر کے ذریعہ زمیندارون کی کل حالت معہ سلوک کے جو اُن کے ساتھ ہوتا تھا۔ بخوبی معلوم ہو جایا کرتا تھا۔ اُس زمانہ کا محکمہ بندوبست گویا یہ ہی محکمہ تھا۔

اس محکمہ کا دستور تہا کہ ہر ایک فصل کی موسم کے خاتمہ پر ہر ایک گانو میں پٹواری بہیجدے جاتے تھے۔ اور ایک کام ان پٹواریون کا یہ بہی تھا۔ کہ رسد۔ لکڑی۔ یا کوئی اور چیز جو کسی زمیندار سے کوئی کاروار یا اور شخص لیتا تھا۔ اُس کی مقدار وغیرہ کی مفصل تفصیل اور رپورٹ تیار کر کے یہ لوگ بہت جلد دفتر نظامت میں بہیجدیتے تھے۔ وہان سے یہ رپورٹین مہاراجہ کے پاس جاتی تہیں۔ اور وہ ان کو لفظ بہ لفظ سنا کرتے تھے۔ خفیف زیادتیون کو وہ درگذر کر جایا کرتے تھے۔ کیونکہ اُن کو بخوبی معلوم تھا۔ کہ دنیا میں دیانتدار کوئی شخص نہیں۔ البتہ کوئی زیادہ بددیانت اور کوئی کم بددیانت ہے۔ اور دیانتدا وہی شخص گنا جاتا ہے۔ جو بمقابلہ زیادہ بددیانت کے کم بددیانت ہے۔ لیکن اگر اونکو معلوم ہو جاتا۔ کہ کسی زمیندار کے ساتھ زیادہ سخت گیری ہوئی ہے۔ تو اس قسم کی زیادتی کا وہ سخت نوٹس لیتے تھے اور اس کے مواخذہ کے لئے یہ لازمی نہیں تھا۔ کہ مظلوم زمیندار شکایت کرے۔ اور اپنی شکایت کی تائید میں ثبوت پیش کرے۔ بلکہ پٹواریون کی شکائتی رپورٹ کو دیکھ کر وہ خاموشی سے تحقیقات کیا کرتے تھے۔ اور اس خفیہ تحقیقات میں جسکا قصور نظر آتا تھا۔ اُس کو سخت سزا دیتے تھے۔ اور اسی تحقیقات کا اثر یہ تہا کہ اون کے زمانہ میں رشوت خوری شاذونادر ہی ہوا کرتی تھی۔

کوٹوال اور تہانہ دار

اُن کے زمانہ میں یہ کسی کو بھی معلوم نہیں تھا۔ کہ پولس کس جانور کا نام ہے۔ جرائم پیشہ اشخاص کا قلع قمع کرنیکے واسطے مہاراجہ موصوف نے زمانہ قدیم کے ہندو مہاراجگان کیطرح کوٹوال اور تہانہ دار

مقرر کر رکھے تھے۔ اُن کے ذریعہ چور اُچکے۔ کھیسہ بر اور دیگر جرائم پیشہ اشخاص کا انتظام کیا جاتا تھا۔ گلوان لوگ جو کہ گھوڑے اور ٹٹوون کے عادی چور تھے۔ اُن دنون میں زورون پر تھے۔ اور تمام ملک میں وہ بدرجہ پھیلے ہوئے تھے۔ ان شیطانون نے مسروقہ یابون کی نقل و حرکت کیواسطے اڈے بنا رکھے تھے۔ اور تمام ملک کو ان اڈون کے ماتحت تقسیم کر رکھا تھا۔ اور نتیجہ اس خفیہ انتظام کا یہ تھا۔ کہ جو گھوڑا یا ٹٹو ایک اڈے کے علاقہ میں سے چرایا جاتا تھا۔ اوسکو یہ لوگ فوراً ڈاک بہ ڈاک کسی دور دست اڈے میں بھیجدیتے تھے۔ بوجہ جس کے کشمیر کے گھوڑے گلگت۔ لداخ اور پہونچہ میں آسانی سے پہونچ جاتے تھے۔ اور بیچارے مالک کو نہ کسی طرح یہ خبر ہو سکتی تھی۔ کہ اوس کا یابو کہان ہے۔ اور نہ بجز صبر کے وہ اور کچھ کر سکتا تھا۔

حق تو یہ ہے۔ کہ مہاراجہ موصوف نے بر سر حکومت ہوتے ہی ان بدمعاشون کا قافیہ اپنے کوتوالون اور تھانہ دارون کے ذریعہ خوب تنگ کیا۔

کوتوال اور تھانہ دار میں فرق یہ تھا۔ کہ شہرون اور قصبون میں جو رعایا کے محافظ مقرر کیجاتے تھے۔ وہ کوتوال کہلاتے تھے اور جو محافظ بیرونجات میں مامور ہوتے تھے۔ اُن کو تھانہ دار کہتے تھے۔ اور فی پرگنہ علاوہ ایک کاردار کے ایک تھانہ دار بھی مقرر تھا۔

یہہ تھانہ دار صرف پولیس کا ہی کام نہیں دیتے تھے۔ بلکہ اپنے علاقہ کے جج اور مجسٹریٹ بھی تھے۔ اور اس طرح سے ایک تو ہر ایک تھانہ دار اپنے علاقہ کے اختیار سماعت کی حدود کے اندر ہر ایک قسم کے دیوانی۔ فوجداری یا مال کے مقدمہ کا بھی فیصلہ

کرتا تھا۔ دوئم بیگاریون کی فراہمی بھی اس کے ذریعہ ہوتی تھی۔ علاوہ اس کے۔ لکڑی۔ غلہ۔ اور اسی قسم کی اور کوئی چیز جس کی سرکار کو ضرورت پڑتی تھی۔ اس تہانہ دار کے ذریعہ بہم پہونچائی جاتی تھی۔ اور تمام سرکاری امورات کی انجام دہی کا ذمہ وار یہہ ہی تہانہ دار تہا۔

خوبی اس انتظام میں یہ تھی۔ اول تو چوری چکاری وغیرہ جرایم ہوتے ہی نہ تھے۔ اور کوئی چوری ہو بھی جاتی تھی۔ تو چور معہ مال مسروقہ کے فوراً گرفتار ہو جاتا تھا۔

ان کوتوالون اور تہانہ دارون کی یہ عادت تھی۔ کہ اُن کے پاس کسی چوری کی جو رپورٹ آتی تھی۔ نہ اُس کو وہ جہوٹھی خیال کرتے تھے۔ اور نہ اُس کو جہوٹھی بنانیکی کوشش کرتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے۔ کہ جس طرح زمانہ حال کی شایستہ حکومت میں دنیا مین ایسے ملک بھی موجود ہیں۔ جہان اب لوگ جہوٹھی رپورٹین لکھا دیتے ہیں۔ اُس زمانہ کے لوگ نہ اس قسم کی مکاری سے آلودہ تھے اور نہ جہوٹھے مقدمے بنانے کے عادی تھے۔ بلکہ یہ کوتوال اور تہانہ دار بھی مال بازیافتہ میں اپنا کوئی حصہ قایم نہیں کرتے تھے۔ اور نہ حتی المقدور رشوت لیتے تھے۔ نہ کسی کو رشوت دیتے تھے۔ جیسا کہ اکثر نا ترقی یافتہ ملکون مین اسوقت کیا جاتا ہے۔

عام اصول ان کوتوالون اور تہانہ دارون کا یہ تھا۔ کہ جوہین ان کو کسی واردات کی خبر ملتی تھی۔ وہین وہ اوس کا سراغ چلانے مین مصروف ہو جاتے تھے۔ اور جب تک چور کا پتہ نہیں لگ جاتا تھا۔ تب تک کسی طرح سے خاموش نہیں ہوتے تھے۔ وجہ اس مستعدی اور کامیابی کی یہ تھی۔ کہ جس اصول پر اکثر

ترقی یافتہ حکومتین اُسوقت اپنے ملازمون کو بھرتی کرتی ہیں۔ مہاراجہ موصوف اس اصول کے مقلد نہ تھے۔

زمانہ حال میں ملازمت کیواسطے بجز تعلیم کے کسی اور خوبی یا استحقاق کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص جسکے خیالات بہت بُرے ہون۔ کسی امتحان مین پاس ہوجاوے تو اوسکو فوراً ملازمت مل جائیگی۔

یہ لازمی نہیں کہ اوسکو ملازم رکھنے سے پیشتر یہ تحقیق کیا جاوے کہ وہ دیانتدار۔ ایماندار۔ رحمدل۔ اور خدا دوست ہے یا نہیں۔ بلکہ اس قسم کی دیکھ بھال کرنیکا کوئی قاعدہ ہی مروج نہیں ہے۔ جس وجہ سے ایک تعلیم یافتہ آدمی کو خواہ وہ اخلاقی کمزوریون کا پتلا ہی کیون نہو۔ عموماً اور ہر حالت مین ایک رحم دل۔ شریف۔ خدا دوست۔ خاندانی اور نہایت مستحق شخص پر ترجیح دیجاتی ہے۔ اس مین شک نہیں کہ مہاراجہ گلاب سنگھ بھی علم و ہنر کے قدر دان تھے۔ لیکن وہ اپنی پرورش کا مستحق صرف اوسی عالم یا تعلیم یافتہ شخص کو سمجھتے تھے۔ جس مین کہ مذکورہ بالا خوبیان بھی ہوتی تہیں۔ ورنہ جن عالم شخصون مین بجز علمیت کے اور کوئی خوبی نہو۔ اُن سے وہ ایک بعلم نیک نیت شخص کو ہزار درجہ اچھا سمجھتے تھے۔ حتے کہ ایک لکھے پڑھے بدشکل شخص کی جگہ بھی وہ ایک انپڑھ شکیل اور ڈیل ڈول والے آدمی کو اچھا جانتے تھے۔ اور دلیل اون کی یہ تھی۔ کہ بدشکل حاکم کا خلقت پر اچھا اثر نہیں پڑتا ہے۔

یہ ایک اصول تھا جسکے مطابق وہ بلالحاظ تعلیم کے اپنی ریاست کا ہر ایک عہدہ ایک شکیل خاندانی مستحق اور نیک

نیت شخص کو دیتے تھے۔ اور جن شخصون میں یہ خوبیان ہوتی تھیں وہ ضرور اپنے فرایض کو نیک نیتی اور مستعدی سے ادا کرتے تھے۔ اور زیادہ خوبی مہاراجہ موصوف کے انتظام کی یہ تھی۔ کہ ایک تو وہ ملازمت ہی اچھے آدمیون کو دیتے تھے۔ دویم وہ اُن کی کارروایون کی نگرانی بھی نہایت تیز اور گہری نگاہ سے کرتے تھے۔

یہی باعث تھا۔ کہ مہاراجہ موصوف کے زمانہ کے اہلکار اپنا فرض عمدگی سے ادا کرتے تھے۔ اور بہت بارعب آدمی نظر آتے تھے۔ بوجہ جس کے رعایا اونکی عزت بھی بہت کرتی تھی۔ اور اُن کے احکام کی تعمیل بھی بخوبی کرتی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ تعلیم یافتہ لوگ اُس زمانہ میں بہت کم تھے۔ لیکن سچ تو یہ ہے۔ کہ اہلکارون کی تقرری کی نسبت مہاراجہ گلاب سنگہ کچھ کچھ انگریزی مؤرخ سوفٹ صاحب کے ہمخیال جیسے نظر آتے تھے جسنے اپنی نامی کتاب سفرنامہ گلابور میں فرضی قوم للی پوٹین کے قوانین اور قواعد کے بیان میں طنزاً لکھا ہے کہ اس فرضی قوم کا عقیدہ ہے۔ کہ کوئی انسان کسی نہ کسی حکومت کی ماتحتی کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسواسطے خدا نے حکومت کرنے کا مادہ ہر ایک آدمی کو بخشا ہوا ہے جسمیں راستبازی انصاف پسندی۔ اور اسی قسم کی اور خوبیون کی ضرورت ہے اور یہ خوبیان بھی کم و زیادہ ہر ایک آدمی میں موجود ہیں۔ جو البتہ تجربہ سے ترقی پذیر ہو جاتی ہیں۔ اُنکا یہ بھی خیال تھا۔ کہ حکومت کرنیکا مادہ کوئی ایسا راز سربستہ نہیں ہے۔ جو کہ بجز ایسے نازک خیالی اشخاص کے جن میں سے بمشکل تمام دو تین شخص ایک زمانہ میں

پیدا ہوتے ہیں۔ اور کسی شخص کو نہ آتا ہو۔

علاوہ ان اعلیٰ محکموں کے جو مہاراجہ گلاب سنگھ نے اپنے عہد حکومت میں قائم کئے تھے۔ اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے محکمہ جات اوس نے بنائے تھے۔ لیکن انمیں سے صرف خزانوں کا انتظام ہی ذکر کرنے کے لایق ہے۔

مہاراجہ موصوف کے عہد میں ایک ایک خزانچی ہر ایک پرگنہ میں مقرر تہا۔ پرگنہ کے خزانچی کا افسر جس کو صدر خزانچی سمجھنا چاہئے وڈیا ضلع میں موجود رہتا تھا۔ ان سب کا افسر گنیشا بہلوال تھا۔ جو اپنی دیانتداری کے باعث بہت مشہور و معروف تھا۔ اور ایک اعلیٰ درجہ کا رکن ریاست گنا جاتا تھا۔

مذکورہ بالا محکمہ جات کے بعد یہ ذکر کرنا بھی خالی از دلچسپی نہیں ہے کہ مہاراجہ موصوف کے عہد میں انصاف کرنیکا کیا طریقہ تھا۔ اون کے عہد میں میعاد یا رسوم اشٹام کا تنازعہ کبھی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ بلکہ نہ اُس زمانہ میں کوئی عدالت ابتدائی۔ نہ ماتحت نہ ہائیکورٹ اور نہ کوئی عدالت مطالبہ خفیفہ تہی۔ نہ کسی عدالت کا نام عدالت دیوانی نہ فوجداری۔ اور نہ مال یا جوڈیشل مال تھا نہ کوئی دیوانی۔ فوجداری نہ مال کا ضابطہ یا قانون تھا۔ نہ کسی وکیل کی ضرورت تھی۔ اور نہ کوئی شخص کسی بیرسٹر یا ایڈوکیٹ یا سرکاری وکیل کا ہی نام جانتا تھا۔ تاہم ہر ایک اہلکار جو کسی ذمہ واری کے عہدہ پر مقرر تہا۔ یا کوتوال یا تہانہ دار عدالت ابتدائی کا کام دیتا تھا۔ اور خود مہاراجہ صاحب بہادر اپیل کی عدالت تہے۔

گویا عدالت ابتدائی ہر ایک پرگنہ میں موجود تھی۔ اور اہل مقدمہ

کو ضرورت نہیں تھی۔ کہ انصاف کی تلاش میں ایک پرگنہ سے دوسرے پرگنہ کو جاتے۔

یہ اہلکار بلالحاظ دیوانی یا فوجداری مقدمات کے ہر ایک قسم کے مقدمہ میں انصاف کرنے کے ذمہ وار تھے۔

اون کی قانون کی کتابیں جن کی کہ وہ پیروی کرتے تھے۔ یا تو اُن کے دل کی یہ خواہش تھی۔ کہ عام سمجھہ کے مطابق ایسا عمدہ فیصلہ کیا جاوے۔ کہ جس میں کسی کو نا انصافی یا ظلم کی شکایت نہ رہے یا مہاراجہ صاحب کے حکم کی پابندی۔ اور یا ہندو دہرم شاستر اور شرع محمدی تھی۔

اور اون کا انصاف بھی اس واسطے تسلی بخش ہوتا تھا۔ کہ فریق ناراض کی رسائی فوراً مہاراجہ صاحب تک ہو جاتی تھی۔ اور اسطرح جب وہ شخص چاہتا تھا۔ اوسیوقت اپیل دایر کر دیتا تھا۔ اور اوسکا فیصلہ بھی اوسیوقت ہو جاتا تھا۔ اور چونکہ ہر ایک اہلکار کو یہ معلوم تھا۔ کہ فریق ناراض کا خواہ مخواہ مہاراجہ صاحب کے حضور میں فریادی جانا اون کی بدنامی کا باعث ہوگا۔ اس واسطے یہ سب لوگ سوچ سمجھ کر انصاف کرتے تھے۔ اور جرایم اور بد امنی کے انسداد کو اپنا فرض عظیم سمجھتے تھے۔

یہ ایک ایسا طریقہ انصاف کرنیکا تھا۔ کہ جسمیں ایک نا تعلیم یافتہ یا ناخواندہ جج نالایق نہیں گنا جاتا تھا۔ بشرطیکہ اگر وہ کسی قسم کا بدنیت یا ظلم پسند نہیں تھا۔ اور تعلیم یافتہ جج کی کوئی زیادہ ضرورت نہیں خیال کی جاتی تھی۔ کیونکہ تمام فیصلے دل کے تختہ کاغذ پر زبان کی قلم سے لکھے جاتے تھے۔ بجز ان زبانی فیصلوں کے نہ کوئی مثل ہوتی تھی۔ اور نہ کسی کو کوئی نقل حکم لینے

کی ضرورت نتھی - اور نہ کوئی شخص سال در سال پیشیاں بھگتتا تھا - جو کچھ ہونا ہوتا تھا - آناً فاناً ہو جاتا تھا -

اب یہ بھی سن لیجئے - کہ اپیل کسطرح ہوتا تھا - اور اپیلانٹ کا اس پر کیا خرچ آتا تھا - یوں تو رسائی کرنا ہمارے موجودہ مہاراجہ صاحب بہادر دام اقبالہ کے پاس بھی کچھ مشکل نہیں ہے - جو شخص چاہے ان کو مل سکتا ہے - لیکن ایک فریق مقدمہ کو بحیثیت ایک اپیلانٹ کے انصاف حاصل کرنے میں جو سہولتیں تب تھیں وہ اب کہیں بھی نہیں ہیں"

مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب کے اپیلانٹ کو صرف ضرورت یہ تھی کہ ایک روپیہ خام ہاتھ میں لیا - اور جہاں مہاراجہ موصوف اجلاس فرماتے - وہاں چلا گیا - اور کسی ایسے موقعہ پر کھڑے ہو کر ہاتھ بلند کر دیا - کہ جہاں سے مہاراجہ صاحب موصوف کو وہ نظر آ سکے مصروفیت مہاراجہ موصوف کی یہ ہوتی تھی - کہ رات کے ۱۱ بجے تک مشعلوں کی روشنی میں دربار لگا رہتا تھا - جونہیں وہ دیکھتے تھے - کہ کوئی شخص فاصلہ پر اپنا ہاتھ بلند کئے کھڑا ہے - وہ فوراً جان لیتے تھے - کہ یہ شخص فریادی ہے - کچھ عرض کرنا چاہتا ہے اور یہ چوبدار کو بھیجکر اوس کو اپنے حضور میں طلب کر لیتے تھے - جو پیش ہو کر وہ خام روپیہ جو موجودہ آٹھ آنہ کے مساوی تھا مہاراجہ موصوف کے ہاتھ پر رکھکر اپنی عرض کا سلسلہ شروع کر دیتا تھا - نتیجہ اس پیشی کا یہ ہوتا تھا - کہ جیسے مقدمہ کے حالات ہوتے تھے - اون کے مطابق یا تو اپیلانٹ کا انصاف ہمیں دم سر اجلاس فرما دیتے تھے - یا جس کاردار - کوتوال یا تھانہ دار کے فیصلہ کے برخلاف شکایت ہوتی تھی - اوسکی طلبی

اوسیوقت ہوکر رویداد کے مطابق فیصلہ کردیا جاتا تھا - اور اگر شکایت سچی ہوتی تھی - تو جس کاردار کے متعلق ہوتی تھی - اوس سے بازخواست کیجاتی تھی - کہ انصاف کرنے میں وہ کامیاب کیون نہیں ہوا -

اکثر دفعہ جب مہاراجہ صاحب دیکھتے تھے - کہ شکایت کسی ایسے دوردست پرگنہ کے متعلق ہے - جہان کا کاردار اجلاس میں جلد نہیں آسکتا - تو فریادی کو ایک چوبدار کے ذریعہ اوس کاردار کے پاس بدین حکم روانہ کردیتے تھے - کہ فریادی مذکور کا رضانامہ پیش کیا جاوے - مہاراجہ موصوف کو انصاف کرنیکا اتنا شوق تھا کہ کسی فریادی کو دیکھکر اپنے ہاتھی یا گھوڑے کو کھڑا کردیتے تھے اور اوس کی عرض سنتے تھے -

یہ کہنا بہت مشکل ہے - کہ زمانہ مذکور کے انصاف میں کوئی نقص نہیں تھا - البتہ یہ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے - کہ اوس زمانہ کا انصاف بہت سستا - بہت سیدہا - بہت جلد - بہت عملی اور بہت سچا تھا - اور اُس میں اور بھی کئی قسم کی خوبیان تھیں مہذب دنیا کا انصاف اُن واقعات پر مبنی ہوتا ہے - جو کہ مثل میں ہوتے ہیں - لیکن عموماً اصلیت کچھہ اور ہوتی ہے - بڑی خوبی اُس زمانہ کے انصاف کی یہ تھی - کہ ایک گندہ مغز شخص کو بھی تعلیم یا کسی قانونی کتاب یا امتحان کی ضرورت - اصلی انصاف کرنے کیواسطے نہیں پڑتی تھی - حالانکہ اس زمانہ میں صرف وہی شخص انصاف کرنے کے لایق ہوتا ہے - جو کہ یا تو کسی یونیورسٹی کا گریجویٹ یا بیرسٹر ہو -

ایک اور خوبی اوس زمانہ کے انصاف کی یہ تھی کہ ہر ایک کاردار

کچھہ تو خدا کے خوف سے کچھہ بدنامی سے بچنے کے لئے اور کچھہ مہاراجہ صاحب کے ڈر سے اصلی انصاف کرنیکی کوشش کرتا تھا۔ حالانکہ اس زمانہ میں خدا کا خوف یا بدنامی کا ڈر تو جدا رہا۔ حکام بالا کی بھی کوئی پرواہ نہیں کیجاتی ہے۔ جس کا باعث یہ ہے کہ اگر کسی مجسٹریٹ کے فیصلہ کی اپیل منظور ہوجاتی ہے تو وہ بھی اور اوس کے حکام بالا بھی اوس کی غلطی کو اختلاف رائے سے منسوب کرتے ہیں۔

مثل دیگر مشرقی بادشاہوں کے معدلت گستری کے متعلق مہاراجہ موصوف کا عقیدہ یہ تھا۔ کہ وہ اپنی رعایا کے محافظ اور خدمتگذار تھے۔ اور جسقدر کہ ریاست کی آمدنی ہے۔ وہ بھی رعایا کا ہی سرمایہ ہے۔ اور رعایا کی ہی بہبودی اور رفع مشکلات کے واسطے جمع کیا جاتا ہے۔ اور اوسی کام میں لگایا جانا چاہئے اور جو کچھہ مہاراجہ صاحب موصوف اس عوام الناس کے سرمایہ میں سے اپنے ذاتی خرچ میں لاتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو اسکے مستحق اُس حالت میں سمجھتے تھے جبکہ اُن سے رعایا کی پرورش اور آرام رسانی کی خدمت بخوبی ادا ہوسکتی تھی۔ اس قسم کے خیالات کو پیش نظر رکھکر مہاراجہ موصوف معدلت گستری کو ایک معمولی فرض نہیں خیال کرتے تھے۔ بلکہ جان و مال کی حفاظت اور ریاست کی بہتری کا ذریعہ اسیکو سمجھتے تھے۔ اور ان خیالات کے مطابق اُن کے نزدیک سب سے زیادہ لایق اہلکار وہی شخص تھا۔ جو کہ جرایم کا اچھا انسداد کرسکتا تھا۔ اس باعث سے اون کے زمانہ میں جان و مال کی حفاظت مکمل تھی۔ اور جرایم کا انسداد اس حد تک پہونچا ہوا تھا۔ کہ

سر والٹر لارنس صاحب مورخ کشمیر ویلی کو اپنی کتاب میں لکھنے کا موقعہ ملا۔ کہ کشمیر میں سنگین جرائم کا ارتکاب بالکل نہیں ہوتا ہے۔ لیکن اب وہ بات نہیں ہے۔ بلکہ برعکس سابقہ زمانہ کی نسبت جون جون شائستگی ترقی کرتی جاتی ہے۔ تون تون سنگین جرائم بھی دن دونی رات چوگنی ترقی کرتے ہیں۔

مہاراجہ موصوف کا یہ بھی خیال تھا کہ ہر ایک آدمی کسی نہ کسی صورت یا حالت میں کچھ نہ کچھ اپنی کمائی میں سے محض اسواسطے سرکاری خزانہ کی نذر کرتا ہے۔ کہ اوس کی جان و مال کے امن میں خلل نہ آوے۔ اس واسطے کوئی شخص اپنے آپ کو امن کی حالت میں نہ سمجھے۔ اور فریادی ہو کر عدالت کیطرف رجوع لائے۔ تو اوس کو تسکین دینے کیواسطے یا اوس امن کے معاوضہ میں کہ جس کی قیمت وہ پہلے سے ہی ادا کرتا ہے۔ کورٹ فیس یا رسوم اسٹام کی صورت میں امن کی قیمت دوبارہ طلب کرنا انصاف میں داخل نہیں ہے۔

فوج کے انتظام کی طرف بھی مہاراجہ موصوف کی مصروفیت کچھ کم نہ تھی محکمہ جنگ جسمیں کہ نہایت محنت کش بہادر اور اچھی قواعد دان فوج شامل تھی۔ ایسے مشہور و معروف جنگ آزمودہ کرنیلون اور جرنیلون کے ماتحت تھی۔ جو کہ کسی جنگ میں کبھی پیٹھ دکھا کر نہیں آئے تھے۔ بلکہ اپنی فتح یائیون کیواسطے خاص شہرت رکھتے تھے۔

مہاراجہ موصوف کا قاعدہ تھا۔ کہ وہ ہمیشہ اپنی فوج کا۔ اُن کے جنگی اسلحہ کا اور اُن کے بسترون کا باقاعدہ طور پر مقررہ ایام میں ملاحظہ کیا کرتے تھے۔

اون کو جنگی سپاہیون کا یہان تک خیال تھا۔ کہ فوج میں سے اگر کوئی سپاہی بیمار ہوجاتا۔ تو اُس کی بیماری کی رپورٹ مہاراجہ موصوف کو فوراً ہوجاتی تھی۔ جس پر ایک سرکاری حکیم اُس کے علاج معالجے کیواسطے مقرر کیاجاتا تھا۔ اور تمام ادویات اوس کو سرکار کی لاگت سے مفت ملتی تھیں۔ بلکہ دو سپاہی بھی اوس کی بیمارداری کیواسطے تعین ہوجاتے تھے۔ اور یہ دونون سپاہی عموماً وہی شخص ہوا کرتے تھے۔ جو کہ اوس کے ڈیرہ کے شریک ہوتے تھے۔ اور جب تک یہ دونون اپنے بیمار سپاہی کی خدمت کیا کرتے تھے۔ تب تک اونکی پہرہ چوکی معاف رہتی تھی۔ اور ایک حوالدار اس نگرانی کے واسطے مقرر کیاجاتا تھا۔ کہ وہ دیکھتا رہے۔ کہ بیمار کی بیمارداری دردمندی اور عمدگی سے ہورہی ہے یا نہیں۔

زیادہ عجیب اور قابل ذکر یہہ بات تھی۔ کہ بیمار سپاہیون کی خبر روزمرہ مہاراجہ صاحب موصوف کے پاس پہونچا کرتی تھی۔ اور جس سپاہی کا عارضہ خراب ہوتا تھا۔ یا جس کی بیماری طوالت پکڑ جاتی تھی۔ مہاراجہ موصوف اُس کی خبرگیری کے لئے خود تشریف لیجاکر اُس کا ملاحظہ ذاتی طور پر کیا کرتے تھے۔ اور اس طرح سے متواتر اوس کے پاس جاکر اپنے شفقت آمیز الفاظ سے اوسکی خوب دلجوئی کرتے تھے۔

مہاراجہ موصوف کے خاص اہلکار حسب ذیل ہیں۔

امین آباد کے دیوان امیر چند صاحب اور اون کے لایق و فایق فرزند دیوان جوالا سہائے صاحب۔ نگروٹے کے وزیر ننھو صاحب اور اون کے نامی گرامی فرزند وزیر پنون صاحب۔ کشتوار کے وزیر لکھپت رائے صاحب۔ اور اُن کے مشہور و معروف

صاحبزادے وزیر زور آور صاحب۔ بہلوالٹے کے گنیشا صاحب جو خزانون کے افسر تھے۔ سیالکوٹ کے شیخ سوداگر صاحب جو پرلے درجہ کے ایماندار اور دیانتدار آدمی تھے۔ اور لاہور دربار کے جلا پنڈت کے خاندان میں سے پنڈت رام کشن صاحب جو کہ پکے جواہر شناس تھے۔ یہ سب اہلکار نہایت دور اندیش منتظم۔ ایماندار۔ کارگذار مستعد۔ نمک حلال۔ جان نثار اور مہاراجہ موصوف کے پسینے پر اپنا خون گرانے والے تھے اور اپنی خیر اندیشیون میں ایکدوسرے سے بڑھ چڑھکر تھے۔ ملکی انتظام کیواسطے ایسے باکمال شخصون کا چُن چُن کر جمع کرنا۔ اور فوج کی کمان ایسے جنگ آزمودہ اور لایق و فایق جرنیلون اور کرنیلون کے ہاتھ میں دینی۔ جو کہ بلحاظ بہادری اور دیگر سپاہیانہ خوبیون کے اپنی نظیر آپ ہی تھے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کا ہی کام تھا۔ صیغہ ملازمت کے متعلق مہاراجہ موصوف کی اور تین خوبیان بھی قابل ذکر ہیں۔ ایک تو یہ کہ اون کا قول تھا۔ کہ جس شخص کو عملی طور پر نمک نہ دیا جاوے۔ اوس کو نمکخوار خیال کرنا غلط ہے۔ بلکہ ایسا ملازم اگر نمک حرامی کرے تو تعجب نہیں۔ اون کا یہ خیال اون کے دل میں اس پختگی سے اثر پذیر تھا۔ کہ جس شخص کو وہ ملازم رکھتے تھے۔ اوسکو ملازمت کے پہلے دن اوس کے درجہ کے مطابق ایک نمک کا ڈلا ضرور دیا جاتا تھا۔ اور حتے المقدور نمک کی ڈلی اوس کو دست مبارک سے بھی دی جاتی تھی۔ اور زبان سے ایسے باتین کہی جاتی تھین۔ جس سے اوس ملازم کے دل میں نمک حلالی کا بیج ضرور بویا جاتا تھا۔ یہ ایک اصول تھا۔ جس سے مہاراجہ موصوف اپنے ملازم کے

تعلقات کو نہایت مضبوط کر دیتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مشرقی لوگون کو جتنا نمک کا لحاظ ہوتا ہے۔ اتنا اور کسی چیز کا نہیں ہے۔ دوسری خوبی یہ تھی۔ کہ اون کی ریاست کے تمام ملازمون کو ایک ادنیٰ چپراسی سے لیکر اول درجہ کے رکن ریاست تک رسدین ضرور ملتی تھین۔ ان کی مقدار۔ تعداد۔ اور عمدگی کا مدار ملازم کے درجہ پر تھا۔ جو اہلکار جتنا بڑا رتبہ والا ہوتا تھا۔ اوسکو تعداد اور مقدار مین اوتنی ہی زیادہ اور اتنی ہی بڑھیا ہیبل کی رسدین بھی ملتی تھین۔ اور اسطح سے اگرچہ اخیر درجہ کی رسد ایک تھی لیکن ایسے شخص بھی بہت تھے۔ جن کو پچاس پچاس اور سو سو رسدین ہر روز ملا کرتی تھین۔ تیسری خوبی یہ تھی۔ کہ جو شخص ایکدفعہ ملازم ہوجاتا تھا۔ اوس کا موقوف ہونا مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد مین ناممکن تھا۔ حتے کہ اگر کسی ملازم سے کوئی جرم بھی سرزد ہوجاتا تھا۔ تو اُس جرم کی پاداش مین وہ قید ضرور کیا جاتا تھا۔ لیکن رہائی حاصل کرنے کے بعد وہ پھر ویسا ہی ملازم خیال کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ قید ہونے سے پیشتر تھا۔ اور اگر سچ پوچھا جائے۔ تو مہاراجہ موصوف کے اس قسم کے سلوک مین اعلیٰ درجے کی خوبیان ضرور بھری ہوئی تھین سزایاب ملازم ایک تجربہ کار ملازم ہوجاتا ہے۔ اور یہ امید کی جاسکتی ہے۔ کہ جو ملازم بوجہ جس جرم کے سزایافتہ ہوجاتا ہے۔ اگر اُس کے ارتکاب سے قطعی طور پر پرہیز نہیں کریگا۔ تو کم سے کم یہ تو ضرور کوشش کریگا۔ کہ وہ دوبارہ سزایاب نہو۔ یا کم سے کم ایک جدید ملازم کی نسبت وہ ضرور زیادہ احتیاط کریگا۔ پس ایسے تجربہ کار ملازم کو سزایابی کے بعد موقوف کر دینے کی نسبت ملازم رکھنا زیادہ مفید ہے۔ دوم جب ایک ملازم نے اپنے جرم کی سزا بھگت لی۔ تو یہ کہان کا انصاف

ہے - کہ اوس کو موقوف بھی کیا جاوے - کیا ایک جرم کے بدلے ایک سزا ملنی چاہئے یا دو سزائین - یہ ایک عجیب منطق ہے کہ ایک ملازم جرم تو کرے ایک - اور اوس کو سزائین دیجاوین دو - یعنے ایک تو وہ قید کیا جاوے - اور جب قید سے رہائی حاصل کرے تو موقوف بھی کیا جاوے -

مہاراجہ موصوف کے عہد میں کشمیری پنڈتون اور ڈوگرون کے حقوق کی بہت قدر کیجاتی تھی - اور صیغہ ملازمت میں سب سے بڑا حق ریاست کے باشندون کا خیال کیا جاتا تھا - یہ ہی وجہ تھی - کہ اُن کے عہد مبارک میں چپراسی - محرر - منشی - اہلمد وغیرہ چھوٹے بڑے اہلکار (بجز چند پردیسیون کے جو نہایت مستحق تھے) سب کے سب باشندہ ریاست تھے -

بلحاظ ملنساری کے مہاراجہ گلاب سنگہ کی عادت ایسی اچھی تھی - کہ اگر کوئی شخص کسی اتفاق سے اون کو کہین مل جاتا - تو اوس کے ساتھ ایک ایک گھنٹہ تک باتین کرتے - اگر یہ شخص اون کا واقف ہوتا تو اُس سے اون کے کل خاندان کی خیر و عافیت نام لے لے کر دریافت کرتے - اور اوس کے قبضہ میں جو درخت یا کوئی اور چیز یا مال مویشی قابل ذکر ہوتا - اُن کے حالات پر بھی نہایت دلچسپی سے بات چیت کرتے -

اگر اون کا ملاقاتی کوئی ناواقف شخص ہوتا - تاہم اُس سے پوچھہ لیتے تھے - کہ اوس کے والدین زندہ ہیں - یا نہیں - یا وہ کسکا لڑکا ہے - اور کہان رہتا ہے - اور کیا کام کرتا ہے - یا اُس کے کتنے بھائی اور کتنے لڑکے ہیں وغیرہ وغیرہ

مہاراجہ موصوف کو قصے کہانیان بھی خوب یاد تھین - اور اونکی

کوئی بات ظرافت سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ حافظہ اور یادداشت ایسی عمدہ تھی۔ کہ جس شخص کو کبھی کہین صرف ایک دفعہ ہی دیکھا ہوتا برسون کے بعد اوس کو بھی برابر پہچان لیتے تھے۔ اور پہلی ملاقات کا بھی سب حال بتلا دیتے تھے۔

مہاراجہ موصوف سنسکرت اچھی جانتے تھے۔ وہ پکے سناتن دہرم کے ہندو تھے۔ اپنا نت نیم اور پوجا پاٹھہ اچھی طرح سے کرتے تھے۔ وہ برہمنون کی بھی اچھی عزت کرتے تھے۔ لیکن باوجود پکے ہندو ہونے کے دیگر اہل مذہب کے برخلاف بھی کسی قسم کا تعصب یا بیر بہاو نہیں رکھتے تھے۔ البتہ جو شخص ہندون سے نفرت کرتا تھا۔ اوس سے وہ بھی نفرت کرتے تھے۔

مثل ایک سچے راجپوت کے وہ دوسہرہ بسنت پنچمی وغیرہ دربار نہایت شان وشوکت سے لگاتے تھے۔ اور انکوٹ کے دن اپنی رعایا کو بڑی بہاری ضیافت دیتے تھے۔ انکوٹ کی رسم گو اب بھی جاری ہے۔ لیکن اب اس مذہبی ہندو تہوار میں اس قدر تبدیلیان ہوگئی ہیں۔ کہ گویا اسکی اصلیت ہی گم ہوگئی ہے

مہاراجہ موصوف کو فقیرون اور بہیک مانگنے والون کا بھی بڑا خیال تھا۔ جب وہ ہواخوری کو نکلا کرتے تھے۔ نقد وجنس کی خیرات کیا کرتے تھے۔ اور یہ ہرگز ممکن نہ تھا کہ کسی فقیر کا سوال خالی جاوے۔ کیونکہ مہاراجہ موصوف اپنے ساتھ دونی۔ چوآنی۔ اور آٹھ آنیان کثرت سے رکھتے تھے۔ اور اسیطرح سے انکے ساتھ بیشمار برائین شالی کی لکھی ہوئی موجود ہوتی تہین۔ جن میں سے اکثر سیر۔ دوسیر۔ تین سیر شالی کی اور کوئی ترک۔ دو ترک۔ تین ترک وغیرہ کی اور بعضی خروار دو خروار شالی کی ہوتی تہین

اگر کوئی فقیر نقدی کا سوال کرتا۔ تو اوس کو چاندی کا سکہ مثل دوانی چوآنی کے مل جاتا تھا۔ جو جنس مانگتا تھا۔ اوس کو اُسکے نصیبون کے مطابق کوئی شالی کی برانت دیدیتے تھے۔

کشمیر کے ملنے کے بعد مہاراجہ گلاب سنگہ نے حکام انگریزی سے ایکدفعہ وزیرآباد میں ملاقات کی۔ اوس کے بعد اپنی ریاست سے باہر کبھی بھی تشریف نہیں لئے گئے۔ البتہ جب کبھی ضرورت پڑی۔ اپنی حدود ریاست میں یا نیلی ٹالی میں یا سوچیت گڈھ میں ملاقات کی۔ بلکہ وہ زیادہ ملاقاتون کے مشتاق ہی نہیں تھے۔ نہ اس قسم کی ملاقاتون کو مفید خیال فرماتے تھے۔

مہاراجہ گلاب سنگہ کی حکومت کشمیر کے اخیر حصہ میں اون کا تنازعہ اپنے برادرزادہ راجہ جواہر سنگہ ولد راجہ دہیان سنگہ صاحب کے ساتھ برپا ہوا۔ کیفیت اس تنازعہ کی یہ ہے۔ کہ راجہ جواہر سنگہ نے کسی کی تحریک سے لاہور میں ایک درخواست حکام انگریزی کے پاس بدین مضمون پیش کی۔ کہ ریاست کے کوہستانی علاقہ میں سے زیادہ حصہ ملک کا اوس کے باپ راجہ دہیان سنگہ کا کچھہ حصہ اوس کے چچا راجہ سوچیت سنگہ کا تھا۔ اور کچھہ حصہ اوس کے بھائی راجہ ہیرا سنگہ کا تھا۔ درخواست مذکور میں یہ بھی مندرج تھا۔ کہ ان تمام علاقجات کو مہاراجہ گلاب سنگہ نے ناجائز طور پر جبراً ہڑپ کر لیا ہے۔

یہ واقعات جتلا کر راجہ جواہر سنگہ نے استدعا یہ کی۔ کہ وہ اپنے باپ چچا اور بھائی کا وارث جائز ہے۔ اسواسطے مہاراجہ موصوف سے اوسکو یہ علاقہ واپس دلایا جاوے۔

یہ درخواست سر جان لارنس صاحب بہادر و مسٹر کری صاحب بہادر

اور مسٹر منٹگمری صاحب کی خدمت میں پیش کی تھی۔ تنازعہ یہ اسی قسم کا تھا۔ کہ حکام انگریزی اس پر توجہ فرماتے۔ اس واسطے حکام موصوف نے دخیل ہوکر مہاراجہ گلاب سنگھ کے ساتھ اس بارہ میں ایک عرصہ تک خط وکتابت کی جسکا جواب مہاراجہ گلاب سنگھ نے ابتدا میں کچھ بھی نہ دیا۔ لیکن اخرکار جب معاملہ بڑھتا گیا۔ تو مہاراجہ مذکور نے مقدمہ مذکور کی جوابدہی کے لئے دیوان جوالاسہاے اپنے وزیر اعظم کو لاہور بھیجا۔

وہ گورنمنٹ ہوس میں تشریف لے گئے جمعدار نے خود رپورٹ کی۔ اندر جانے کی اجازت ہوئی۔ لیکن کوئی سکتر جیسا کہ دستور تھا۔ اُن کی پیشوائی کو نہ آیا۔ اونہوں نے باغ کی سیر کرنی شروع کردی جس پر حسب دستور عزت کے ساتھ جب اندر لیجائے گئے۔ تو اون کو حکم ہوا۔ کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کو فہمائش کرکے راجہ جواہر سنگھ کا حصہ دلادیا جاوے۔ لیکن دیوان جوالاسہاے ایسی نرم اسامی کہاں تھے۔ کہ ہاں میں ہاں بلا دیتے۔ ہر دو طرف سے بہت پولٹیکل گفتگو ہوئی جسکے بعد دیوان جوالاسہاے سوائے متفق الراے ہونے کے اپنے ڈیرے کو چلے آئے اور معاملہ بہت طویل ہوگیا۔ لیکن مہاراجہ گلاب سنگھ اس قسم کی دست اندازیوں کو کب ماننے والے تھے۔ جب حکام انگریزی نے دیکھا۔ کہ یہ دیوانی مقدمہ پولٹیکل رنگت اختیار کرتا جاتا ہے تو فوراً مثل داخلدفتر کردی گئی۔ اور مہاراجہ گلاب سنگھ صاحب کو خوش کرنے کیواسطے راجہ جواہر سنگھ کو انبالہ میں بہ حیثیت ایک اسیر سلطانی کے رکھا جہاں سے راجہ صاحب موصوف

کو اور کہین بھی جانا نہ ملا - بلکہ جان بحق بھی وہان ہی ہوئے -
مہاراجہ گلاب سنگھ کو مرض ذیابطیس تھا - جس کو انگریزی مین
ڈائی بٹیز کہتے ہین - آخرکار اس مرض نے زور پکڑا - اور جب
مہاراجہ موصوف نے دیکھا - کہ اون کی عمر کا پیالہ دن بدن لب ریز
ہوتا جاتا ہے - تو اپنی موت سے دو سال پیشتر مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب
کو راج تلک لگا کر خود کشمیر کی سکونت اختیار کی - جہان آخرکار
۶۵ برس کی عمر بھوگ کر سمت ۱۹۱۴ بکرمی مین اس دنیائے دون کو
لات مار کر راہی ملک بقا ہوئے -

جس کے بعد نہ تو راج کاج کا عظیم الشان بوجھ اون کے سر پر رہا -
نہ دونون بھائیون کی موت نے کچھ تکلیف دی - بلکہ اون دو بیٹون کا
داغ جدائی بھی جو کہ لاہور کے پولیٹیکل جنگون مین مارے گئے تھے -
دور ہو گیا -

حاسد مورخون نے مہاراجہ گلاب سنگھ کو بہت الزام لگائے ہین -
لیکن وہ ایک دہرم آتما آدمی تھے - اون کا ذاتی چال چلن قابل
تقلید تھا - اون کا اخلاق - ملنساری کا طریقہ - محنت کشی کی عادت
مستعدی - انصاف پسندی اور دیگر نیک خصلتین - عموماً
ہر ایک فرقہ کے تاجدارون کے لئے - اور خصوصاً ہندو
مہاراجگان کیواسطے نظیری خوبیان تہین انکی طبیعت مین نمود اور نخوت
بالکل نہین تھا - وہ فضول خرچی سے ہرچندیکہ اسقدر دور بھاگتے تھے
کہ بعضون نے اون کو نہایت کنجوس سمجھ رکھا ہے - لیکن جب
خرچ کرنے کا وقت آتا تھا - تو حاتم کو بھی مات کر دیتے تھے - وہ
عیاشی کو کیا بہ حیثیت ایک انسان کے یا مہاراجہ کے گناہ عظیم
سمجھتے تھے - اون کی بردباری - تحمل - نرمی - خوش اخلاقی

ظرافت - اور شفقت آمیز ہمدردانہ حکومت کو دیکھکر اگر بجائے انسان کے دیوتا خیال کیا جائے - تو مبالغہ نہیں ہے -

خود غرض لوگون کے خیال میں مہاراجہ گلاب سنگھ میں کوئی بھی خوبی نہیں تھی - لیکن بوجہ خوش اخلاقی - خدا پرستی - رعایانوازی کے وہ ڈوگرون میں فخر قوم خیال کیجاتے تھے - اور رعایا میں اسقدر ہر دلعزیز تھے - کہ اون کا نام اب بھی عزت سے لیا جاتا ہے -

لارنس صاحب مصنف کتاب وادی کشمیر نے اپنی کتاب میں جو تعریف اون کی بے لاگ طریقہ سے تحریر کی ہے - وہ حسب ذیل ہے -

مہاراجہ گلاب سنگھ جو ڈوگرہ مہاراجگان میں سے پہلے مہاراجہ تھے - نہایت دور اندیش - مستقل مزاج اور باہمت شخص تھے - سب سے پہلے اونہون نے کشمیر کو بمبون کی لوٹ مار سے بچانے کے لئے کوہ ڈٹاون کو محفوظ کیا - جہان عموماً لوٹ مار ہوا کرتی تھی - اور اوسکا انتظام یہ کیا - کہ اوس کے گردونواح میں قلعے تعمیر کیے - اور کوہ نستاہن کو جو جرنیلی سڑک جاتی ہے - اوسکی خوب حفاظت کی -

شیر احمد جو سات سال تک تکلیف پہونچاتا رہا - اور جب مقابلہ کی تاب نہیں لاتا تھا کاہگان کو بھاگ جاتا تھا - گرفتار ہو جانے پر مہاراجہ موصوف نے دیوسر میں اوس کو جاگیر دیکر بہت اچھا سلوک کیا - حتے کہ شیر احمد اوسی جاگیر میں مر بھی گیا - وصولی مالیہ کا انتظام مہاراجہ موصوف نے اچھا کر رکھا تھا -

ایک دفعہ ایک پہاڑی پر سے جو مہاراجہ موصوف کی نظر وادی کشمیر پر پڑی - تو فرمانے لگے کہ ایک حصہ ملک کا کوہستانی ہے -

دوسرا حصہ پانی سے لبالب ہے۔ اور رہا سہا حصہ جاگیردارون کے قبضہ میں ہے۔

لیکن انہون نے فوراً جاگیردارون کا عمدہ انتظام کیا۔ اور اپنی شبانروزہ محنت اور اہلکارون کی نگرانی سے تھوڑے عرصہ میں ہی خوب مالیہ وصول کرنے لگے۔ حتے کہ بعضون نے کہا ہے۔ کہ جو روپیہ مہاراجہ موصوف نے کشمیر کی خرید میں خرچ کیا تھا۔ وہ چند سال میں ہی وصول ہوگیا۔ لیکن یہ سراسر جھوٹ ہے۔

مہاراجہ گلاب سنگہ اس بات کا بھی خیال رکھتے تھے۔ کہ مالیہ کا روپیہ خزانہ میں داخل ہوجاتا تھا۔ یا نہیں۔ وہ ناواجب اخراجات کے بھی دشمن تھے۔ اور جرائم اور ظلم کی روک تھام بھی انہون نے نہایت استقلال سے کی تھی۔ رعایا اور ملازم لوگ جس حد تک اون سے ڈرتے تھے۔ اوسی حد تک اون کی عزت بھی کرتے تھے۔ انہون نے اپنی رعایا اور ملازمین کو عملی طور پر دکھادیا۔ کہ شخصی حکومت کس طرح درجہ کمال تک پہونچ سکتی ہے۔

مہاراجہ موصوف زیادہ کشمیر میں سکونت پذیر رہا کرتے تھے اور جس دور اندیشی۔ ہمدردی۔ منصف مزاجی سے رعایا پر حکومت کرنی شروع کی۔ اوس سے لوگون کی حالت روزبہ ترقی ہونے لگی۔ اور رعایا کے دل میں اُن کی حکومت کی دھاک بندگئی۔

وہ ایک دانا زمیندار اور سرکار انگریزی کے سچے دوست تھے ایام غدر میں انہون نے حق دوستی کا اچھی طرح ادا کیا۔

اون کی سمادہ دودہ گنگا کے کنارہ پر بنی ہوئی ہے۔ مذکورہ بالا تعریف مہاراجہ گلاب سنگہ کی بالکل سچی موزون اور مکمل فوٹو ہے۔ مسٹر لازنس صاحب نے بجا کہا ہے کہ مہاراجہ صاحب موصوف کے مرنے سے سرکار انگریزی کا ایک سچا دوست کھو یا گیا ہے۔ اور رعایا کے سر سے ایک رعایا پرور مہاراجہ کا سایہ اُٹھ گیا۔

ختم شُد

اشتہار

سالگرام پریس کی بکاؤ کتابیں

(۱) رنبیر ڈنڈ بدہی مشرح قیمت فی جلد	عہ ۱۲/
(۲) ضابطہ دیوانی مشرح قیمت فی جلد	عگ
(۳) قانون رسوم اسٹام حصہ اول قیمت فیجلد	۴ر
(۴) قانون رسوم اسٹام حصہ دویم قیمت فیجلد	۶ر
(۵) قانون میعاد سماعت مشرح قیمت فی جلد	۶ر
(۶) قانون مطالبہ خفیفہ قیمت فی جلد	۴ر
(۷) قانون اجراڈگری مشرح قیمت فی جلد	۱۰ر
(۸) قانون رجسٹری مشرح قیمت فی جلد	۶ر
(۹) ہدایت مسٹر لارنس صاحب قیمت فیجلد	۳ر
(۱۰) ہدایت ترمیم بندوبست اسکردو قیمت فیجلد	۸ر
(۱۱) ہیمال کشمیری قیمت فی جلد	۴ر
(۱۲) زینخا کشمیری قیمت فی جلد	۲ر
(۱۳) جغرافیہ ریاست جموں و کشمیر قیمت فی جلد	۷ر
(۱۴) پہاڑے مع گر قیمت فیصدی	۸ر

المشتہر منیجر مطبع سالگرام پریس سرینگر